2022

بی ایس (علومِ اسلامیہ)

کورس کوڈ: ISL-601

ترتیب وتزئین

ایس ایم نعمان عزیز خان

زیرِ نگرانی

ڈاکٹر خالد حمید

قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز ایچ-نائن، اسلام آباد (آئی سی ٹی کالجز)

1۔

علوم الحدیث کا تعارف

1۔ علوم الحدیث کا مفہوم

2۔ علوم الحدیث پر بنیادی کتب

1۔ علوم حدیث۔ تعارف، آغاز وارتقاء

1.1- علوم حدیث کا معنی ومفہوم

علوم حدیث علم حدیث کی جمع ہے۔اس کی تعریف درج ذیل ہے۔

علم حدیث کی تعریف:

علم سے مراد جاننا ہے اور حدیث سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو تو گویا آپ ﷺ کی طرف منسوب اقوال وافعال کو جاننا علم حدیث ہے۔

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب فتح المغیث میں علم حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے **"معرفة ما اضيف الى النبي صلي الله عليه وسلم قولا له او فعلا او تقريرا او صفة"** یعنی علم حدیث سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب قول، فعل، تقریر اور صفت کی پہچان حاصل کرنا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے اپنی کتاب عمدۃ القاری میں علم حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے **"علم يعرف به اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله واحواله"** یعنی علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کی پہچان حاصل ہو۔

علم حدیث کی ان تعریفوں سے یہ واضح ہوا کہ جو بھی قول و فعل اور حالت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی طرف منسوب ہو یعنی اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جارہا ہو کہ یہ قول و فعل آپ ﷺ کی ذات اقدس سے صادر ہوا ہے اس کا علم اور معرفت حاصل کرنا علم حدیث میں داخل ہے۔اس علم و معرفت کا مفہوم اور دائرہ کار نہایت وسیع ہے اس میں حدیث کے الفاظ کا علم اور اس کا معنی و مفہوم بھی شامل ہیں اور حدیث سے مستنبط اور معلوم ہونے والے مسائل، حدیث کو نبی ﷺ سے نقل کرنے والے راوی، راویوں کا درجہ، راویوں کے متعلق علمائے حدیث کی آراء اور ان آراء کی روشنی میں روایت کی حیثیت، حدیث میں موجود مشکل الفاظ کے مفہوم کو خصوصی طور پر سمجھنا، دوایسی روایات کی تطبیق جن کا مفہوم بظاہر ایک دوسرے کے خلاف لگ رہا ہے وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔علوم حدیث میں بہت سے علوم داخل ہیں اور یہ تمام مل کر علوم حدیث کہلاتے

ہیں کیونکہ حدیث کی مکمل معرفت ان علوم کے بغیر ممکن نہیں۔

امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں علوم حدیث کی تعداد ساٹھ بتائی ہے۔ان تمام علوم کا احاطہ یہاں ممکن نہیں لیکن ان میں سے چند اہم علوم کا مطالعہ ہم اس کتاب میں کریں گے جس سے باقی علوم کو سمجھنا طلبہ کے لیے آسان ہو جائے گا۔

1.2- علوم حدیث کا آغاز وارتقاء

عہد نبوی ﷺ اور علوم الحدیث

عہد نبوی ﷺ میں حدیث کے علوم باقاعدہ فن کی شکل میں تو موجود نہیں تھے لیکن ان کی بنیادیں دور نبوی ﷺ سے ہی وجود میں آگئی تھیں جن پر بعد میں علوم الحدیث کی پوری عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ اصول وعلوم قرآن مجید، آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی عملی زندگی سے رہنمائی لے کر وضع کیے گئے۔

مثلاً سورۃ الحجرات کی آیت مبارکہ ہے

[يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ] اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو انجانے میں تکلیف نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

یہ آیت مبارکہ گویا کہ پورے علم جرح وتعدیل اور علم رجال کی بنیاد ہے، کہ کسی بھی خبر یا روایت کے راوی کو دیکھ کر ہی اس خبر کے صحیح یا غلط نیز قابل عمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا اور ہر سنی سنائی بات پر بغیر چھان بین کیے عمل نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(كفى بالمرء كذبًا أن يحدِّث بكلِّ ما سمع)

کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ جو بات بھی سنے اسے بغیر تحقیق کیے آگے بیان کر دے۔

اس ارشاد سے بھی یہ اصول معلوم ہوا کہ بغیر تحقیق اور جانچ پڑتال کے ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دینا جھوٹ کی ایک شکل ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور علوم حدیث میں سے بہت سے علوم کی بنیاد اسی پر ہے کہ کون سی روایت کس درجے کی ہے؟ اس کی جانچ پڑتال کے لیے مختلف علوم واصول وضع کیے گئے۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے

(مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَه مِنَ النَّارِ)

جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ایسی موضوع اور من گھڑت روایات جنہیں لوگ اپنے پاس سے بنا کے ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دیتے ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔ بعد کے محدثین نے ایسی روایات کو پہچاننے کے اصول بتائے اور ایسے راویوں کی نشاندہی کی جو اس قسم کی روایات نقل کرتے ہیں تاکہ ان سے بچا جاسکے۔ اس سے یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ حدیث کو روایت کرنے میں احتیاط کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ لاپروائی میں انسان اس وعید میں داخل ہو جائے۔ حدیث کے کئی علوم ہیں جن میں سے ہر ایک کی اہمیت موجودہ دور میں بھی مسلم ہے مثلاً تحقیق کے حوالے سے علم تخریج الحدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کہاں سے لی گئی اور یہ روایت قابل اعتماد ہے یا نہیں۔

اوپر بیان کردہ نکات کا خلاصہ یہ ہے کہ دور نبوی ﷺ میں علوم حدیث کے حوالے سے بنیادی فکر موجود تھی جو کہ وہیں سے اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی بعد کے ادوار میں باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر گئی۔

عہد صحابہ اور علوم حدیث:

عہد نبوی ﷺ کی طرح عہد صحابہ میں بھی علوم حدیث الگ سے باقاعدہ علم و فن کی شکل میں وجود میں نہیں آیا البتہ اس کے اصول و قواعد موجود تھے اور ایک مرتب و مدون علم کی منزل کی طرف سفر کر رہے تھے لیکن عہد صحابہ میں اس کی ضرورت واہمیت زیادہ بڑھ گئی اس لیے کہ عہد نبی ﷺ میں آپ ﷺ بذات خود موجود تھے اس لیے فوراً احادیث میں غلطی کی اصلاح آسان تھی، لیکن عہد صحابہ میں ایسا نہیں تھا۔

عہد صحابہ میں حدیث کے علوم و قواعد کے حوالے سے سب سے پہلا نام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب "تذکرہ" میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: "کان اول من احتاط فی قبول الاخبار"۔یعنی حضرت ابو بکر صدیق وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے احادیث کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔روایات کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا بہت سے علوم کی بنیاد ہے۔امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "موطا" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک خاتون حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت حاضر ہوئی (جو وفات پاجانے والے کی دادی تھی)اور وراثت میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تیرے حصے کا کوئی ذکر نہیں اوراس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد بھی میرے علم میں نہیں البتہ میں لوگوں سے معلوم کروں گا۔ پھر آپ نے دوسرے صحابہ کرام سے پوچھا توحضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلا یا تھا توسیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟" تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر وہی بات کہی جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی، چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کر دیا۔دراصل یہ احتیاط ہی حدیث کے تمام قواعد واصول کی روح ہے جن سے سارے علوم الحدیث وجود میں آتے ہیں،اس لیے کہ مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے اور اسی طرح اس کا معنی و مفہوم سمجھنے میں کسی قسم کی غلطی سے بھی حتی الامکان بچا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس معاملے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر تھے، سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ ثقہ ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ احادیث کی چھان بین میں وہ تمام احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے صحابہ کرامؓ سے بعد کے لوگوں کے لیے رکھے۔ اس کا مقصد صحابہ پر عدم اعتماد کا اظہار نہیں تھا بلکہ ہر ممکن تسلی اور احتیاط مقصود تھی۔ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ اجازت طلب کرنے کے طور پر کہا کہ "السلام علیکم ابو موسیٰ

حاضر ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو پوچھا کہ تم کیوں واپس گئے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو۔ اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت بیان کی۔ چنانچہ ابو سعید نے آکر شہادت دی کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ (یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم کے باب الاستیذان میں مذکور ہے)۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری طرف سے بدگمانی نہیں تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔ (تذکرہ الحفاظ)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں اس کا بھی اہتمام تھا کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں، اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھی اس بات کا بہت اہتمام تھا کہ راوی روایت کے مفہوم صحیح طرح سمجھ پایا ہے یا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط واحتیاط کا یہ فائدہ ہوا کہ جو حدیثیں روایت کی گئیں وہ غلطی کے ہر قسم کے احتمال سے پاک تھیں، اس طرح خیر القرون سے احادیث بالکل اصلی حالت میں آگے روایت ہوئیں اسی لیے قرآن و حدیث کی حیثیتِ تشریعی میں آثارِ صحابہ واقوال واعمال صحابہ کی توضیح و تشریح کو بھی بے انتہا اہمیت حاصل ہے۔ صحابہ کی اتباع تابعین میں جاری رہی اور ہر ہر روایت پر کوئی نہ کوئی صحابی ضرور عامل رہا اور اس طرح جملہ احادیث تابعین میں پھیلتی گئیں، ص۔ اسی لیے حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: "تمام صحابہ عادل، رضا یافتہ، ثقہ اور ثبت ہیں اور اس پر محدثین کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ان معمولات سے کثرت طرق و شواہد کے ذریعے روایت میں مضبوطی کا اصول بھی معلوم ہوتا ہے جو کہ علوم الحدیث کا ایک اہم حصہ ہے کہ ایک سے زیادی راوی اگر کوئی حدیث روایت کریں تو اس سے وہ زیادہ قابل اعتماد ہو جاتی ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:
"وھو الذی سن للمحدثین التثبت فی النقل وبما کان یتوقف فی خبر الواحد اذا ارتاب" ترجمہ: انہوں نے ہی محدثین کے لیے روایت کی جانچ پرکھ کا طریقہ جاری کیا اور جب انہیں شک ہوتا تو خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حدیث کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا کرتے تھے، جب کوئی ان کے سامنے حدیث بیان کرتا تو اس سے قسم لیا کرتے تھے اور خود بھی جب حدیث بیان کرتے تو پہلے ورب الکعبۃ کہہ کر قسم کھاتے جس کا مطلب ہے کعبہ کے رب کی قسم۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مقامات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے کہ "وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔" (تذکرہ الحفاظ تذکرہ عبداللہ بن مسعود)

یہ دور صحابہ کے چند واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے اس دور میں علوم الحدیث اپنی ارتقائی منازل طے کر رہے تھے جن میں فن جرح و تعدیل سر فہرست ہے۔

علوم الحدیث دور صحابہ کے بعد:

دور صحابہ کے بعد علوم الحدیث کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حدیث سننے والے نہ رہے تو اس میں مزید احتیاط اور جانچ پڑتال کی ضرورت پیش آئی جس کا اندازہ محمد بن سیرین کے قول سے ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں محدثین لوگوں سے حدیث کی سند کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ واقع ہو گیا تو انہوں نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں اپنے راویوں کے نام بتاؤ

تاکہ جو اہل سنت ہیں ان کی روایات لے لی جائیں اور جو اہل بدعت ہیں ان کی روایات چھوڑ دی جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ پہلے لوگ حدیث کو نقل کرنے میں احتیاط کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں جب لوگوں نے اپنے مقاصد کے لیے روایات گھڑ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنی شروع کر دیں تو محدثین نے روایات قبول کرنے کے معاملے میں زیادہ احتیاط شروع کر دی اور بغیر تحقیق اور جانچ پڑتال کے روایات کو قبول کرنے سے اجتناب کرنے لگے۔ اس کے لیے اصول و قواعد بنائے کہ کس کی اور کون سی روایت قابل قبول ہے اور کون سی نہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس دور میں احادیث سے متعلق مختلف اصطلاحات وجود میں آئیں جیسے حدیث مرفوع، حدیث موقوف، حدیث متصل اور حدیث مرسل وغیرہ۔

پہلی صدی ہجری میں اسی طرح علوم حدیث کے حوالے متفرق طور پر کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ دوسری صدی ہجری میں حضرت عمر بن عبد العزیز (م 101ھ) کے دور میں باقاعدہ طور پر محمد بن مسلم بن شہاب زہری (م125ھ) نے احادیث کو جمع کرنے اور ان کے حوالے سے قواعد وضوابط بنانے کا کام شروع کیا یہ ہی وجہ ہے کہ انہیں علم مصطلح الحدیث کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دور کے محدثین میں ابو بکر بن حزم، سعد بن ابراہیم اور امام شعبی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس صدی کے دوران جہاں دوسرے اہل علم نے علوم الحدیث کے حوالے سے کام کیا وہیں امام شافعی رحمہ اللہ (150تا204ھ) نے بھی کتاب "الرسالہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اگرچہ بنیادی طور پر اصول فقہ کی کتاب ہے لیکن اس میں حدیث کے حوالے سے بھی کچھ نہایت مفید اصول وضوابط مذکور ہیں مثلا روایات میں پائی جانے والی خامیوں کا تذکرہ، ناسخ و منسوخ روایات کی وضاحت، روایات کے درمیان ترجیح کا طریقہ وغیرہ۔

تیسری صدی ہجری کو اس حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس میں علوم حدیث کی تدوین و ترتیب کے حوالے سے کافی کام ہوا اور اس کی مختلف اصناف پر علماء کی جانب سے بہت سی تصانیف سامنے آئیں جس کی وجہ سے یہ باقاعدہ ایک علم و فن کے طور پر تیزی سے ارتقاء کی منازل طے کرنے لگا۔ اس صدی میں علوم

حدیث کی مختلف اقسام پر محدثین نے جو کتابیں تحریر کیں ان میں یحیٰ بن معین (۲۳۴ھ) کی تاریخ رجال، محمد بن سعد بن منیع (۲۳۰ھ) کی طبقات، امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کی العلل اور الناسخ والمنسوخ وغیرہ شامل ہیں۔ امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی (۲۳۱ھ) نے مختلف فنون پر سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔

چوتھی صدی ہجری میں وہ دور آیا جب علماء نے علوم حدیث کی بہت سی اصناف کو اپنی تصانیف میں جمع کر کے لکھنا شروع کر دیا جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نخبۃ الفکر کی شرح کے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ اس علم میں سب سے پہلے جس نے تصنیف کی وہ قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمن رامہرمزی (م ۳۶۰ھ) ہیں جنہوں نے "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" کے نام سے کتاب لکھی کی جس میں علوم الحدیث کی بہت سی اقسام پر بحث کی۔ اس کے بعد ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری (۳۰۱تا۴۰۵ھ) نے "معرفۃ علوم الحدیث" کے نام سے کتاب لکھی جس میں علوم الحدیث کی ۵۲ اقسام کو جمع کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے علم علل الحدیث پر "کتاب العلل" کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی۔ اس کے بعد ابو نعیم اصفہانی (۳۳۶تا۴۳۰ھ) نے امام حاکم کی کی کتاب پر "المستخرج" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے ان کتاب میں کئی مفید اضافے کیے۔

بعد ازاں پانچویں صدی ہجری میں خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے "الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ" کے نام سے کتاب لکھی جس میں روایت کے قواعد وضوابط جمع کر دیئے۔ انہوں نے ایک کتاب آدابِ روایت پہ "الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع" کے نام سے بھی تحریر کی۔ خطیب بغدادی کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ فنون حدیث میں سے شائد ہی کوئی ایسا فن ہو جس میں آپ نے کوئی کتاب نہ لکھی ہو۔ آپ کے بارے میں حافظ ابو بکر ابن نقطہ (م ۶۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی بنظر انصاف دیکھے گا اسے یہ علم ہو جائے گا کہ خطیب بغدادی کے بعد کے تمام محدثین ان کی کتب کے محتاج ہیں۔

یہاں سے علوم الحدیث کا فن اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے چھٹی صدی ہجری میں داخل ہوتا ہے جس میں قاضی عیاض (۴۷۲تا۵۴۴ھ) نے "الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع" کے نام سے کتاب تصنیف کی نیز ابو حفص المیانجی (م ۵۸۱ھ) نے بھی ایک مختصر کتاب "مالا یسع المحدث جہلہ" کے نام سے لکھی ہے۔

اس کے بعد چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں قاضی القضاۃ احمد بن خلیل بن سعادۃ (م ۶۳۷ھ) نے علوم الحدیث کی مختلف انواع پر مشتمل ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام انہوں نے "انواع علوم الحدیث" رکھا اور دوسرے حافظ ابن صلاح (۵۷۷ تا ۶۴۳ھ) ہیں جنہوں نے "علوم الحدیث" کے نام سے تصنیف کی جو بعد میں "مقدمہ ابن الصلاح" کے نام سے مشہور ہوئی اس کتاب میں وہ سارے فوائد و قواعد اکٹھے ہو گئے جو دوسری کتب میں منتشر تھے اور یہ کتاب اس سے پہلے لکھی جانے والی تمام کتب کی جامع ہے۔ اس کتاب میں آپ نے خطیب بغدادی اور ان سے پہلے اور بعد میں آنے والے محدثین کے علوم حدیث کو یکجا کر دیا۔ اس کتاب کے آنے کے بعد علماء حدیث نے اسے اپنا لیا اور علوم حدیث کی دوسری تمام کتابوں سے زیادہ اس کی خدمت کی، کسی نے اسے نظم کی شکل میں لکھا، کسی نے اس کا خلاصہ ترتیب دیا، کسی نے اس کی شرح لکھی اور کسی نے علوم حدیث کے حوالے اسی ایک کتاب پر اکتفاء کر لیا۔

اس کی نظم لکھنے والوں میں سے ایک عالم حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (م ۸۰۶ھ) ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "الفیۃ العراقی" میں ابن الصلاح کی کتاب کو نظم کی شکل دی اور پھر اس کے بعد اس نظم کی شرح بھی کی۔ ان کے بعد امام سخاوی (م ۹۰۲) نے بھی اس نظم کی شرح لکھی۔

حافظ عراقی کی مقدمہ ابن الصلاح کی شرح کا علماء نے اختصار بھی کیا ہے جن میں امام نووی (م ۶۷۶ھ) بھی شامل ہیں آپ نے اپنے اختصار کا نام "تقریب" رکھا جس کی شرح امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے فرمائی اور اس کا نام "تدریب الراوی" رکھا۔

آٹھویں صدی میں حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے ایک مختصر سے رسالے "اختصار علوم الحدیث" میں ابن الصلاح کی کتاب کا لب لباب جمع کیا جس کی شرح "الباعث الحثیث" کے نام سے شیخ احمد محمد شاکر (م 1377ھ) نے کی۔

خلاصہ یہ کہ علوم الحدیث کا آغاز عہد نبوی ﷺ میں ہی ہو گیا تھا لیکن اس پر فن کی حیثیت کا اطلاق بعد میں ہوا اس سلسلے میں امام زہری نے بنیادی نوعیت کا اہم کام کیا، اور پھر پہلے مختلف فنون کی کتابوں میں ضمناً اس کا تذکرہ ہوتا رہا جیسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں کیا، پھر تیسری صدی ہجری میں اس کے

مختلف فنون پر الگ الگ کتابیں لکھی جانے لگیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے "العلل" اور "الناسخ والمنسوخ" لکھی۔ پھر مختلف فنون کو ایک کتاب میں جمع کر کے لکھنے کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں علامہ رامہرمزی نے اپنی کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" لکھ کر کیا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ "مقدمہ ابن صلاح" پر آ کے علوم الحدیث ارتقاء کے لحاظ سے اپنے عروج پر پہنچ گیا اور اس کے بعد مزید جو بھی کام ہوا وہ اسی سے استفادے کی ایک شکل ہے۔

1.3- علماء و کتب علوم حدیث

علوم الحدیث کے آغاز سے ارتقاء تک بہت سے محدثین نے اس علم کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور اس فن میں بہت سی اہم تصنیفات سامنے آئیں جن کا اجمالی تذکرہ آغاز وارتقاء کے ذیل میں گذر چکا ہے، ان میں سے چند اہم محدثین اور ان کی کتابوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

مصنف کا پورا نام قاضی ابو محمد الحسن بن عبد الرحمان بن خلاد رامہرمزی (م360ھ) ہے۔ ابو محمد کنیت، حسن نام ہے۔ والد کا نام عبد الرحمٰن بن خلاد فارسی ہے۔ آپ "رامہرمز" کے رہنے والے تھے اس لئے رامہرمزی مشہور ہو گئے۔ حافظِ حدیث، اپنے دور کے امام اور قاضی تھے۔ علوم حدیث میں آپ کی تالیف کا نام "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" ہے اور دوسری تالیف "کتاب الامثال" ہے۔ حافظ ابن مندہ نے اپنی کتاب "الوفیات" میں لکھا ہے کہ رامہرمزی تقریبا ۳۶۰ھ تک رامہرمز میں بقید حیات رہے۔

"المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" علوم الحدیث میں پہلی کتاب ہے۔ بعد میں آنے والے علماء نے علوم الحدیث کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی کتاب کی بنیاد پر لکھا ہے۔ علوم الحدیث کے حوالے سے یہ پہلی کتاب ہے جس میں علم حدیث، راوی اور محدث کے آداب، تحمل حدیث اور اداء کے صیغے، طلب حدیث میں نیت، راویوں کا مقام، طالب حدیث کے اوصاف، عالی اور نازل سند، وہ راوی جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہو گئے، طلب حدیث کے لیے سفر اور درایت حدیث وغیرہ جیسے اہم مباحث شامل ہیں۔ حاجی خلیفہ اس کتاب

کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب فن اصطلاح حدیث کے بہت سے مسائل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

مصنف کا پورا نام امام حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری (م405ھ) ہے۔ آپ کا نام محمد، کنیت ابو عبداللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوری۔ امام حاکم ابن البیع کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ۲ ربیع الاول ۳۲۱ھ کی صبح نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ماموں کی خاص توجہ سے طلب علم میں مشغول ہوئے۔ امام حاکم کے شیوخ کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے جن میں ایک ہزار صرف نیشاپور کے شیوخ تھے۔ امام دار قطنی بھی امام حاکم کے شیخ تھے اور دار قطنی نے حاکم سے روایت بھی کی ہے۔ طلب علم کے لئے آپ نے دو مرتبہ عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ مختلف شیوخ و حفاظ حدیث سے مذاکرہ کیا۔ امام حاکم کی تمام کتابیں پندرہ سو اجزاء پر مشتمل ہیں۔

"معرفۃ علوم الحدیث" امام حاکم کی مشہور کتاب ہے جس میں آپ نے علوم الحدیث کی 52 انواع پر بحث کی ہے جن میں سے چند اہم مباحث درج ذیل ہیں: عالی اور نازل سند کی معرفت، حدیث کی مختلف اقسام جیسے موقوف، منقطع، مسلسل، معضل اور مدرج، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اولاد صحابہ اور اکابر کا تعارف، جرح و تعدیل، فقہ الحدیث، حدیث میں ناسخ و منسوخ، علل الحدیث، حدیث میں تدلیس کرنے والے راوی، انساب المحدثین اور وہ راویاں حدیث جن کی روایت کو حجت نہیں مانا گیا وغیرہ۔

المستخرج لابی نعیم

مصنف کا پورا نام امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م430ھ) ہے۔ امام ابو نعیم اصفہانی کے علمی کمالات اور غیر معمولی فنی شہرت نے ان کی ذات کو مرجع خلائق بنا دیا تھا۔ ان کا شمار عظیم محدثین میں ہوتا ہے تفسیر حدیث اور فقہ سمیت تمام علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے حدیث اور متعلقات حدیث کے علوم میں ان کو کمال کا درجہ حاصل تھا جمع روایت اور معرفت روایت میں امتیاز رکھتے تھے۔ امام ابو نعیم اصفہانی جہاں ایک بہت بڑے محدث تھے وہیں حفظ و ضبط اور عدالت و ثقاہت میں بھی ممتاز تھے۔ بقول علامہ ذہبی "لم یکن

غذاء سوی التسمیع والتصنیف "حدیثیں سننا اور ان کی جمع و تالیف ہی ان کی غذا تھی۔ اس کتاب "المستخرج" میں آپ نے امام حاکم کی کتاب 'معرفۃ علوم الحدیث' میں علوم الحدیث کی جو اصطلاحات اور مسائل بیان ہونے سے رہ گئے تھے انہیں جمع کرنے کی کوشش کی۔ حافظ ابن حجر اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں بھی علوم الحدیث کی ساری مباحث ذکر نہیں ہو سکیں۔

الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

مصنف کا پورا نام امام ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی (م 463ھ) ہے۔ آپ کا نام احمد، کنیت ابو بکر ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی۔ آپ خطیب بغدادی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے والد ابوالحسن علی بھی خطیب تھے خطیب بلاشبہ اپنے عہد کے امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔ خطیب بغدادی کی ہر ایک تالیف مفید، وقیع اور معیاری ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے طلبِ علم کے لئے کئی ممالک کا سفر کیا۔ علم میں مہارت حاصل کی کتابیں لکھیں اور جمع بھی کیں۔ آپ سفر میں بھی اپنی کتابیں ساتھ رکھتے تھے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ابو بکر خطیب بغدادی حدیث کی معرفت، حفظ و اتقان اور ضبط میں ان بڑی شخصیتوں میں آخری شخص تھے جن کو میں نے دیکھا ہے۔ وہ حدیث کی علل، اسانید، صحیح، غریب، فرد، منکر اور مطروح سے اچھی طرح واقف تھے۔ بغداد میں دار قطنی کے بعد خطیب کی مانند کوئی شخص نہیں تھا۔ مؤتمن ساجی کہتے ہیں کہ بغداد نے دار قطنی کے بعد خطیب جیسا شخص پیدا نہیں کیا۔ ابواسحاق شیرازی لکھتے ہیں کہ خطیب حدیث کی معرفت اور حفظ میں دار قطنی کے مشابہ تھے۔ ابو سعد سمعانی کہتے ہیں کہ خطیب باوقار، پر رعب، ثقہ، فصیح، خوش خط، کثیر الضبط اور علم کے متلاشی تھے۔

خطیب بغدادی کی یہ تصنیف "الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ" بہت اہمیت کی حامل ہے اور علوم الحدیث کی بہت سی گراں قدر مباحث پر مشتمل ہے، جن میں سے چند اہم عنوانات درج ذیل ہیں: حدیث کی اہمیت، خبر متواتر، اخبار آحاد، راوی کے حالات کی جانچ پڑتال، عدالت صحابہ، صفات محدث، جرح و تعدیل، اہل بدعت سے روایت لینے کا حکم، اس آدمی کی روایت کا حکم جو عام حالات میں جھوٹ بولتا ہو، احکام سے متعلق احادیث میں سختی، ایسے راوی جن کی روایت قابل قبول نہیں، روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کا حکم، سماع حدیث کے

طریقے، تدلیس کے احکام، حدیث مرسل کا حکم وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ فن حدیث کی تمام اصطلاحات کو اس میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ و تقیید السماع

مصنف کا پورا نام قاضی ابوالفضل عیاض بن موسی الیحصبی (م544ھ) ہے۔ قاضی عیاض مغرب کے مشہور ترین علماء میں سے ہیں۔ اہل مغرب میں یہ روایت مشہور تھی، کہ اگر قاضی عیاض نہ ہوتے، تو "مغرب" کا بھی تاریخ میں کوئی ذکر نہ ہوتا علوم میں آپ کے بلند مرتبے پر مؤرخین کا اتفاق ہے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، متکلم، نحوی، ادیب، شاعر اور خطیب تھے۔ تاریخ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ذہبی کے بقول: آپ کے علوم و تصانیف دور دراز علاقوں تک پھیل گئیں اور آپ کا نام ساری دنیا میں مشہور ہو گیا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: ھو امام الحدیث فی وقتہ، واعرف الناس بعلومہ، و بالنحو واللغۃ وکلام العرب وایامھم وانسابھم۔ یعنی وہ اپنے وقت میں حدیث کے امام تھے اور علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب، اور ان کی تاریخ وانساب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

"الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ و تقیید السماع" بھی علوم الحدیث کے حوالے سے ان کی نہایت مفید کتاب ہے، اس میں درایت حدیث، حدیث کے آداب، اخذ حدیث اور نقل حدیث کی انواع، روایت کی اقسام، کتابت حدیث اور روایت بالمعنی جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

معرفۃ انواع علوم الحدیث (مقدمۃ ابن صلاح)

مصنف کا پورا نام ابوعمرو تقی الدین عثمان بن عبد الرحمن الشہرزوری المعروف بابن الصلاح (م643ھ) ہے۔ ابوعمرو کنیت، عثمان نام اور تقی الدین لقب ہے۔ والد کا نام عبد الرحمٰن بن عثمان بن موسیٰ ہے۔ ابوعمرو کے والد کا لقب صلاح الدین تھا جس کی طرف نسبت سے وہ ابن صلاح مشہور ہو گئے، مسلسل محنت اور اہتمام کی وجہ سے آپ کو علوم وفنون میں رسوخ حاصل ہو گیا، حدیث اور علوم حدیث میں اعلیٰ صلاحیت اور تفوق رکھنے کی وجہ سے طلبہ اطراف واکناف سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے بکثرت ان کے پاس آنے لگے۔

محدثین اور حفاظ بھی آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ حدیث اور فنون حدیث میں کمال تبحر کی وجہ سے جب علماء کے حلقہ میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال ہوتا تو اس سے مراد حافظ بن الصلاح ہی لئے جاتے تھے۔ اسی کی طرف حافظ عراقی نے اپنی الفیہ میں اشارہ کیا ہے: وکلما اطلقت لفظ الشیخ ما أرید الا ابن الصلاح مبھما ''جب میں لفظ شیخ مطلقا استعمال کرتا ہوں تو اس ابہام سے میری مراد حافظ ابن الصلاح ہی ہوتے ہیں''۔

"معرفۃ انواع علوم الحدیث "علوم الحدیث کی ایک نہایت مقبول اور جامع کتاب ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں خطیب بغدادی اور دوسرے محدثین کی کتابوں میں موجود علوم الحدیث کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس میں علوم الحدیث کی قریب قریب تمام انواع واقسام موجود ہیں، اس کتاب میں مذکور انواع واقسام کی تعداد 65 ہے جن میں سے چند اہم اقسام درج ذیل ہیں: صحیح، حسن ،ضعیف، معضل، مرفوع، موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، متصل، تدلیس، شاذ، منکر، متابعات، شواہد، زیادات الثقات، معلل، مضطرب، مدرج، موضوع، مقلوب، کتابت حدیث، آداب محدث، آداب طالب حدیث، ناسخ و منسوخ، مختلف الحدیث، معرفۃ الصحابۃ، معرفۃ الاسماء والکنی، القاب المحدثین، المؤتلف والمختلف، المبہمات، معرفۃ الثقات، معرفۃ الضعفاء، معرفۃ اوطان الرواۃ وغیرہ۔ مقدمہ ابن الصلاح کی اہمیت کے پیش نظر اس کی بہت سی شروح، خلاصے اور نظمیں لکھی گئیں۔

مقدمہ ابن صلاح کی شروحات

امام بدرالدین زرکشی (م794ھ) نے "مقدمہ ابن صلاح" کی شرح "النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح" کے نام سے لکھی۔

حافظ زین الدین عبد الرحیم العراقی (م852ھ) نے اس کی شرح "التقیید والایضاح لما اطلق واغلق من کتاب ابن الصلاح" کے عنوان سے تحریر کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) کی شرح "النکت علی کتاب ابن الصلاح" کے نام سے سامنے آئی اسی طرح حافظ سراج الدین عمر بن ارسلان البلقینی (م805ھ) کی شرح کا نام "محاسن الاصلاح فی تضمین کتاب ابن الصلاح" ہے۔

مقدمہ ابن الصلاح کی تلخیصات

امام یحی بن شرف النووی (م676ھ) نے "مقدمہ ابن صلاح" کا اختصار "ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق" کے نام سے کیا اور پھر اس کی مزید تلخیص "التقریب والتیسیر الی حدیث البشیر النذیر" کے نام سے مرتب کی۔

بدر الدین ابن جماعہ (م733ھ) نے "المنھل الروي في مختصر علوم الحدیث النبوي" کے نام سے اس کا اختصار لکھا اور اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ جات بھی کیے۔

امام عماد الدین ابن کثیر (م774ھ) نے اس کی تلخیص "اختصار علوم الحدیث" کے نام سے کی اور اس میں کچھ مفید اضافے بھی کیے۔

الشیخ احمد محمد شاکر (م1377ھ) نے اس اختصار کی شرح "الباحث الحثیث" کے نام سے کی۔

امام حسین بن محمد شرف الدین الطیبی (م743ھ) نے اس کا اختصار "الخلاصۃ فی معرفۃ اصول الحدیث" کے نام سے لکھا، عمر بن علی احمد الانصاری المعروف بابن ملقن (802ھ) نے "مقدمہ ابن الصلاح" کا خلاصہ "المقنع" کے نام سے تحریر کیا۔

مقدمہ ابن الصلاح کی منظومات

جن محدثین نے "مقدمہ ابن الصلاح" کو نظم کی شکل میں لکھا وہ درج ذیل ہیں۔

حافظ سخاوی (م902ھ)

امام جلال الدین سیوطی (م911ھ)

حافظ عبدالرحیم عراقی (م826ھ)

ابراہیم بن عمر البقاعی (م775ھ)

اس کے علاوہ بھی علوم الحدیث پر بہت سی اہم اور مفید کتابیں موجود ہیں جیسا کہ دور حاضر میں شیخ محمود الطحان کی کتاب "تیسیر مصطلح الحدیث" کو ایک خاص مقبولیت حاصل ہے، نیز علوم الحدیث کے ہر ہر فن پر مستقل کتابیں بھی ہر دور میں تصنیف کی گئیں لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر تعارف کے طور پر علوم الحدیث سے متعلق مذکورہ بالا کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

خود آزمائی

سوال نمبر ۱۔ علوم حدیث کا معنی اور مفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ علوم حدیث کے آغاز وارتقاء کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر ۳۔ علوم حدیث پر لکھی گئی اہم کتابوں اور ان کے مصنفین کا تعارف کروائیں۔

2۔

حدیث کی اقسام

(قولی، فعلی اور تقریری)

حدیث کی تعریف اور اس کی اقسام

تعریف:

ہر وہ قول، فعل، تقریر یا صفت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو حدیث کہلاتی ہے۔

حدیث کی نوعیت کے اعتبار سے تین اقسام ہیں۔

حدیثِ قولی:

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر مبنی ہو۔

مثال

راوی براء بن عازب رضی اللہ عنہ

"جب تم سجدہ کرو تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو (زمین پر) رکھو اور اپنی دونوں کہنیوں کو (زمین سے) بلند رکھو۔" **صحیح مسلم**

حدیثِ فعلی:

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر مبنی ہو۔

مثال

راوی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پیشانی کے بالوں، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔ **صحیح مسلم**

حدیثِ تقریری:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کا وہ فعل یا قول جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا اور آپ نے اسے برقرار رکھا یا آپ علیہ السلام کے سامنے کسی کے عمل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی ۔۔یعنی منع نہیں کیا۔۔۔

مثال

راوی قیس رضی اللہ عنہ بن عمرو بن سہل انصاری

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا" صبح کی نماز تو دو رکعت ہے" اس آدمی نے جواب دیا:" میں نے فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں، لہٰذا اب پڑھ لی ہیں۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔۔ **سنن ابی داود**

☆☆☆☆☆

3۔

روایت حدیث

1۔ روایت حدیث کا تعارف

2۔ روایت حدیث کے اصول وضوابط

3۔ روایت حدیث کی اقسام

- روایت باللفظ
- روایت بالمعنی

1- علم روایت حدیث

روایت کا لغوی معنی "نقل کرنا" کے ہیں اور محدثین کی اصطلاح میں علم روایت وہ علم ہے جس میں حدیث کی روایت، اس کو یاد کرنے اور تحریر کرنے سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

اس میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام روایات شامل ہوتی ہیں۔

حدیث کی اسناد سے متعلق تحقیق اور چھان پھٹک تاریخ اسلام کے ابتدا میں ہی ہو گئی تھی۔ عبد اللہ بن سبا کے فتنہ کے بعد مذہبی وسیاسی تعصبات کے بنا پر اپنے افکار و نظریات ثابت کرنے کے لئے فتنہ پرور لوگوں نے احادیث نبوی میں جھوٹ کو داخل کرنے کی کوشش کی لیکن علماء و محدثین نے اس کو بات کے پیش نظر سند کے متعلق تحقیق کا آغاز کیا۔

اسلام کا عمومی مزاج بھی یہی ہے کہ کوئی خبر قبول کرنے اور اس کی تشہیر کرنے سے پہلے اس خبر کی تحقیق و تصدیق کرلی جائے کہ یہ خبر درست ہے یا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اسی تحقیق کے متعلق ارشاد ہے

{ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ } [الحجرات: 6]

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم لاعلمی میں کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کئے ہوئے پر نادم ہو جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے بھی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ کسی خبر کی تشہیر سے پہلے اس کی تصدیق کرلی جائے۔

مسلم، مسلم بن حجاج، الجامع الصحيح (1/ 8)

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے آدمی کے گناہ گار ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔

اس حدیث میں بھی یہ تعلیم ملتی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے نہ پھیلایا جائے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد ہے جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے۔

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (1/ 21)

105 – حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ أَنَسٌ إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنْ النَّارِ

قرآن وسنت کی ان تعلیمات کے پیش نظر مسلمانوں کے ہاں قبولیت حدیث میں احتیاط کا پہلو ہمیشہ اپنایا گیا۔ اور کئی محدثین نے اسناد کی تحقیق میں اپنی زندگی وقف کر دی۔

1.1 صحابہ کرام کی احتیاط

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ حدیث کے معاملہ میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کو قبول کرنے میں احتیاط برتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ بھی حدیث کو قبول کرنے میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے تین مرتبہ سلام کے متعلق حدیث پر گواہ طلب کیا

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے اگر کوئی ایسی حدیث لائی جاتی جو حضرت علی رضی اللہ تعالی نے پہلے نہ سنی ہوتی تو اس کے متعلق اس سے سے حلف لیتے تھے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالی عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ علم دین ہے۔ دیکھو! آپ اس کو کس سے حاصل کر رہے ہو۔

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت سے پہلے لوگ سوال نہ کرتے تھے لیکن فتنہ واقع ہو جانے کے بعد محدثین دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اور اہل بدعت کون ہے اس صورتحال میں اہل بدعت کی حدیث کو چھوڑ دیتے تھے۔

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے کے سند کی تحقیق و تفتیش کا آغاز ابتدائے اسلام سے ہی ہو گیا تھا اور برابر جاری رہا۔ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف صرف جھوٹی روایات منسوب کرنے کی کوشش مکمل طور پر ناکام رہی۔ جن میں محدثین کی کوششوں اور کاوشوں کا بہت بڑا دخل ہے۔

اسناد کی اہمیت کا اندازہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے

مسلم، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (1/ 12)

الْإِسْنَادُ مِنْ الدِّينِ وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ

اسناد دین کا حصہ ہے اگر یہ نہ ہو تو جس کے جی میں جو آتا وہ کہہ دیتا۔

2- علم روایت پر لکھی جانے والی کتب

دور صحابہ و تابعین میں حدیث کو قبول کرنے میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ اس دور میں قبولیت ورد حدیث کے اصول مختلف کتب میں موجود ہیں۔ علی بن مدینی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ علوم الحدیث میں اپنے زمانہ کے یکتا فاضل عالم تھے۔ علوم الحدیث میں سے کوئی بھی ایسا علم نہ تھا کہ جس کے بارے میں آپ نے کوئی کتاب نہ لکھی ہو۔ اسی طرح دیگر محدثین کرام نے بھی الگ الگ انواع حدیث پر کام کیا۔ اور الگ الگ فنون پر کتب مرتب کی۔ جیسے کہ صحیح بخاری صحیح مسلم سنن ترمذی۔ البتہ جہاں علوم الحدیث کی تمام انواع کو جمع کرنے کی بات ہے تو اس کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں ہوئی۔ ابن ملقن کے بقول علوم الحدیث کی سو سے بھی زیادہ اقسام تھیں۔

چوتھی صدی ہجری میں جب انواع علوم حدیث کو جمع کر کے علیحدہ تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بہت سے محدثین نے تصنیفات کی شکل میں خدمات سر انجام دیں۔ اہم تصانیف میں سے چند ایک مشہور درج ذیل ہیں۔

المحدث الفاصل بین الراوی والواعی

حسن بن عبد الرحمن بن خلاد الرامہرمزی کی یہ اصطلاحات حدیث پر پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے اس فن پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں راوی اور محدث کے آداب، تحمل حدیث اور صیغ اداء کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اصطلاحات حدیث کے بہت سے مسائل کا احاطہ کرتی ہیں۔ یہ کتاب رامہرمزی نے اپنے طلبا کو املا کرائی اور ان سے بہت سے لوگوں نے یہ کتاب نقل کی۔ بڑے بڑے محدثین نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کتاب میں علم حدیث اور راویوں کا مقام، طلب حدیث میں نیت، اوصاف طالب، حدیث عالی اور نازل، طلب حدیث میں سفر، ایسے لوگ جو اپنے اجداد کے ساتھ منسوب ہیں، ایسے راوی جن کے نام متفق ہیں، ایسے راوی جو کنیتوں سے معروف ہوگئے ہیں ان کے ناموں کو ضبط کیا گیا ہے اسی طرح اس میں سماع حدیث کی تفصیلات کو بیان کیا گیا ہے۔

معرفۃ علوم الحدیث

محمد بن عبد اللہ جو امام حاکم کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے معرفۃ علوم الحدیث تصنیف کی۔ امام حاکم نے اپنی کتاب میں علوم الحدیث کے 52 انواع کا ذکر کیا ہے۔

الکفایہ فی علم الروایۃ

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم الحدیث میں بہت سی کتب تصنیف کی ہیں۔ علوم الحدیث میں الکفایہ فی علم الروایہ ایک مشہور کتاب کے طور پر متعارف ہے. خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ مشرق کے نام سے بھی جانا جاتا ہے. الکفایہ فی علم الروایہ کے علاوہ کتاب الجامع لآداب السامع کے نام سے بھی ایک کتاب آپ نے تصنیف فرمائی

ہے۔ الکفایہ فی علم الروایہ اصول حدیث کی ایک اہم کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بعد میں آنے والے تمام محدثین نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب پر انحصار کیا ہے۔ اس کتاب میں خبر متواتر، خبر واحد، راوی کے احوال کی جانچ اور ان کا تزکیہ، عدالت صحابہ، صحابی کی پہچان، سماع صغیر، صفات محدث، جرح و تعدیل کی تفصیلات اس آدمی کی حدیث کا حکم جو حدیث رسول کے علاوہ جھوٹ بولتا ہو، اہل بدعت سے روایت لینا اور اس کا حکم، روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ کا حکم، سماع حدیث کے طریقے، تدلیس کے احکام، مرسل کا حکم اور دیگر اصطلاحات ذکر کی گئی ہیں۔

الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع

یہ کتاب خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اصول حدیث پر دوسری کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے راوی اور محدث کے آداب بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں

راوی اور سامع کے اخلاق، علم حدیث کے لیے شادی کو چھوڑ دینا، حدیث کی طلب میں جلدی، محدث کے پاس جانے کے آداب، سماع کا ادب، سوال کا ادب، تدوین حدیث، محدث کا طالب علم کی عزت کرنا، محدث کا بادشاہوں کے اموال کو قبول کرنے سے بچنا، حدیث کے بیان کے وقت زیب و زینت اختیار کرنا، محدث کا گفتگو میں ہمیشہ سچ بولنا، شاگرد کا محدث کی تعریف کرنا، علم حدیث کے لیے سفر کرنا، احادیث کو یاد کرنے کی ترغیب وغیرہ ذکر ہیں۔

الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع

اس کتاب کے مصنف قاضی عیاض بن موسی ہیں۔ اس میں انہوں نے تحصیل علم حدیث کا وجوب، علم حدیث کا مقام و مرتبہ، حدیث کے طالب علم کے لیے آداب، سماع اور اس کے آداب، علم حدیث کی طلب میں اخلاص نیت، اخذ حدیث اور نقل حدیث، روایت کی اقسام، روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ وغیرہ کے عنوانات پر گفتگو فرمائی ہے۔

3- علم درایت حدیث

درایت کا لغوی معنی غور و فکر کرنے اور اسرار و رموز سے واقفیت کے ہیں۔ علم درایت محدثین کی اصطلاح میں وہ علم ہے جس کے ذریعے حدیث کی شرح کی جائے، حدیث کے الفاظ کے معانی بیان کیے جائیں، احادیث سے احکام کے استنباط کے طریقوں پر روشنی ڈالی جائے اور راجح حدیث کی ترجیح بیان کی جائے اور حدیث کے تعارض کو رفع کیا جائے۔

3.1 محدثین کے ہاں درایت کے اصول

- ایسی روایت جو عقل کے خلاف ہو۔
- ایسی روایت جو دل کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو۔

علامہ ذہبی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے۔ حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون۔

- ایسی روایتیں جو محسوسات اور مشاہدات کے مخالف ہوں۔ مثلا
  بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے
- ایسی روایت جو قرآن کریم، حدیث متواتر یا اجماع کے خلاف ہو اور میں تاویل کی گنجائش بھی نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے ایک مرتبہ فال نکالنے کی روایت بیان کی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ کس طرح فرما سکتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں بالکل واضح ذکر ہے ان الامر کلہ للہ۔

- جس روایت میں معمولی کام پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔
- جس روایت میں معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو
- ایسی روایت جس کا معنیٰ رکیک ہو۔
  مثلا کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ

ایسے راوی کی روایت جو روایت کرنے میں اکیلا ہے اور جس شیخ سے روایت کر رہا ہے اس سے نہ ملا ہو۔

- ایسی روایت جس میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے پھر اگر وہ وقوع پذیر ہوتا تو سینکڑوں لوگ اس کا مشاہدہ کرتے۔
- جس میں ایسی فضول باتیں ہوں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبانی اقدس سے صادر ہونا محال ہو.

جیسے جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اللہ تعالی اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں ہر زبان میں 70 ہزار لغت ہوتی ہیں

- جو حدیث واقع کے خلاف ہو مثلا

  دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔
- ایسے احادیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہ نہ ہوں

  جیسے تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں سبزہ زار، آب رواں اور خوبصورت چہرہ دیکھنا۔
- ایسی احادیث جن میں آئندہ واقعات کی پیشگوئی بقید تاریخ مذکور ہو۔
- ایسی احادیث جو اطباء کے کلام سے مشابہت رکھتی ہوں۔ مثلا ہریسہ کھانے سے فراغت آجاتی ہے۔ مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی کو پسند کرتا ہے۔

① روایۃ باللفظ......اور......روایۃ بالمعنی

مفہوم:- روایۃ باللفظ

روایۃ باللفظ سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے جن الفاظ اور کلمات کے ساتھ حدیث اخذ کرے۔انہی کلمات اور الفاظ کے ساتھ اسے اپنے پاس محفوظ کرلے...... حدیث کے الفاظ اور کلمات میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرے...... اس کے بعد جب اپنے تلامذہ (شاگردوں) کے سامنے اس حدیث کو روایت (بیان) کرے تو بھی اس کے الفاظ اور کلمات کا پورا پورا خیال رکھے...... علمائے حدیث کے ہاں ضبط لفظی کو ''ضبطِ ظاہر'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ضبط اور روایت کا سب سے اعلیٰ اور قابل ترجیح طریقہ ہے۔

روایۃ بالمعنی:

روایۃ بالمعنی سے مراد یہ ہے کہ راوی حدیث کے الفاظ وکلمات کے بجائے، حدیث کے معنی ومفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔

حافظ ابن الصلاح روایۃ بالمعنی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(إذا أراد روایة ماسمعه علی معناه دون لفظه) (ابن الصلاح:۲۱۳)

جب راوی حدیث کے الفاظ کے بجائے اس کے معنی ومفہوم کی روایت (بیان) کرے......تو اس کا یہ عمل ''روایۃ بالمعنی'' کہلائے گا...... مقصد یہ ہے کہ راوی کے پاس جو حدیث ہے وہ اس کو ہو بہو الفاظ کے بجائے اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کرے......

حدیث کی روایت کے سلسلے میں علمائے حدیث کا اصول یہ ہے کہ اس میں انتہائی اہتمام سے کام لیا جائے۔ یہاں تک کہ حروف اور اعراب تک کا خیال رکھا جائے۔ اس لئے بعض علماء کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' جائز نہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث کی اہمیت اور حیثیت کو پیش نظر رکھ کر ''روایۃ باللفظ'' ہی کو بنیاد بنانا چاہیے۔ اور روایۃ بالمعنی کی اجازت نہیں دینی چاہیے...... علماء کی ایک اور جماعت کے نزدیک روایۃ باللفظ اور روایۃ بالمعنی دونوں جائز ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ راوی اگر حدیث کے الفاظ اور ترتیب و ترکیب سے پوری طرح واقف ہو اور اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ حدیث کے مفہوم کو کسی تغیّر کے بغیر اپنے الفاظ میں منتقل کر سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں...... ہاں اگر راوی حدیث کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' بالکل جائز نہیں...... امام غزالی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

(قال العلماء : نقل الحدیث بالمعنی دون اللفظ حرام علی الجاهل بمواقع الخطاب، و دقائق الالفاظ) (المستصفیٰ : ج. ۱، ص. ۱٦۸)

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ جو راوی حدیث کی ترتیب و ترکیب اور اسکے الفاظ کے صحیح مفہوم سے واقف نہ ہو اس کے لئے ''روایۃ بالمعنی'' حرام ہے...... ہاں اگر راوی ایسا ہو کہ محتمل اور غیر محتمل میں فرق کر سکتا ہو۔ ظاہر اور اظہر کو جانتا ہو، عام اور اعم سے واقف ہو تو اس کے لئے روایۃ بالمعنی جائز ہے۔ امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہ، جمہور فقہاء اور محدثین کی اکثریت کا یہی مسلک ہے۔

حافظ ابن الصلاح ''روایۃ بالمعنی'' کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(فإن لم یکن عالماً عارفاً بالالفاظ و مقاصدها......) (ابن الصلاح: ۲۱۳)

اگر راوی کو حدیث کے الفاظ وکلمات کے مقاصد و مفہوم کی صحیح سمجھ نہ ہو وہ یہ نہ جانتا ہو کہ الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم میں کیا تبدیلی آتی ہے...... اسے یہ علم نہ ہو کہ الفاظ اور متبادل الفاظ میں کیا فرق ہے...... تو ایسے راوی کیلئے بالاتفاق جائز نہیں کہ وہ ''روایۃ بالمعنی'' سے کام لے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ حدیث کی روایت انہی الفاظ میں کرے جو اس نے اپنے شیخ سے سنے ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے۔

امام ابن حزم اندلسی ظاہری ''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

(وأما من حدث و أسند القول إلى النبیّ ﷺ وقصد التبليغ لما بلغه عن النبی ﷺ فلایحل له إلا ان یتحری کما سمعها، لا یبدل حرفا مکان اخر وإن کان معناهما و احدا ولا یقدم حرفا ولا یؤخر آخر) الاحکام: ج. ۲، ص. ۸٦)

حدیث کا جو بھی راوی رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد کو روایت کرنا چاہے اور اس کی نیت یہ ہو کہ جو حدیث اس کے پاس ہے وہ امت مسلمہ کے دوسرے افراد تک پہنچ جائے تو اس صورت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ انہی الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کرے جن کے ساتھ اس نے اپنے شیخ سے حدیث اخذ کی ہے۔ کسی لفظ کو دوسرے لفظ کے آگے پیچھے نہ رکھے۔ یعنی الفاظ کی ترتیب کو بھی ملحوظ رکھے۔

علامہ سیف الدین الآمدی نے اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مفید گفتگو کی ہے۔ آپ اس ضمن میں فقہاء کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(والذی علیه اتفاق الشافعی، ومالک وابو حنیفه و احمد بن حنبل والحسن البصری......) (الاحکام: ج. ۲، ص. ۱۴٦)

امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام حسن بصری اور جمہور فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس راوی کو الفاظ کے مدلولات اور مواقع کے اختلاف کا علم نہ ہو اس کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' حرام ہے۔

راوی اگر حدیث کے الفاظ، کلمات اور اسکی ترتیب و ترکیب سے پوری طرح واقف ہو اور علمی رسوخ رکھتا ہو تو اس کے لئے ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے یا نہیں......؟ اس پہلو سے بھی علماء کے اقوال میں اختلاف ملتا ہے...... جمہور کے نزدیک علمی صلاحیت رکھنے والے راوی کے لئے ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے۔ لیکن بعض محدثین اور فقہاء کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' بالکل جائز نہیں...... حافظ ابن الصلاح اس بارے میں لکھتے ہیں:

(اما اذا کان عالما عارفاً بذلک فهذا مما اختلف فیه......) (التقیید والایضاح: ص۔ ۲۲۶)

اگر راوی حدیث کے متن کو ہر پہلو سے سمجھتا ہو تو اس بارے میں محدثین، فقہاء اور اہل اصول کا اختلاف ہے۔ جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض محدثین اور شافعیؒ علماء کی ایک جماعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

(فالخلاف فیها شهیر والاکثر علی الجواز ایضاً) (نزهة النظر: ۹۴)

''روایۃ بالمعنی'' کے سلسلہ میں اختلاف مشہور ہے لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ راوی اگر عالم ہو تو اس کیلئے جائز ہے۔

''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں علماء سے جتنے اقوال منقول ہیں ان سب کو جمع کر کے دیکھا جائے تو تین موقف سامنے آتے ہیں۔

(i) ''روایۃ بالمعنی'' مطلقاً جائز ہے۔

(ii) ''روایۃ بالمعنی'' مطلقاً ناجائز ہے۔

(iii) ''روایۃ بالمعنی'' شروط کے ساتھ جائز ہے۔

اب ہم ان تینوں مسالک پر ترتیب کے ساتھ بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ ہر گروہ نے اپنے اپنے موقف کے حق میں جو دلائل دیئے ہیں ان کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے......؟ آپ یونٹ کے اس حصہ کو بہت توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ پہلی مرتبہ مطالعہ کرنے سے ممکن ہے آپ کو سمجھنے میں دقت محسوس ہو لیکن جب آپ دوسری اور تیسری مرتبہ اس کو پڑھیں گے تو آپ کے ذہن میں خود بخود مواد بیٹھتا چلا جائے گا اور آپ محسوس کریں گے کہ یہ بحث نہ صرف یہ کہ مفید ہے بلکہ دلچسپ اور خوشگوار بھی ہے۔ سب سے پہلے ہم ان علماء کا موقف پیش کر رہے ہیں جن کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے۔

② روایۃ بالمعنی جائز ہے

جن حضرات کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔

((عن عبداللہ بن سلیمان بن اکتمه اللیثی قال: قلت : یا رسول اللہ انی أسمع منک الحدیث لا استطیع أن أودیه کما اسمع منک یزید حرفا أو ینقص حرف، فقال: إذا لم تحلوا حراماً ولم تحرموا حلالاً ، وأصبتم المعنی فلا بأس...... فذکر ذلک للحسن فقال: لولا ھذا ما حدثنا)) (تدریب الراوی : ج. ۲، ص ۹۲/قواعد التحدیث : ص. ۲۳۲)

عبداللہ بن سلیمان کہتے ہیں '' میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اللہ کے رسول ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں لیکن کما حقہ اسے ادا نہیں کرسکتا۔ ادائیگی میں مجھ سے حروف کی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ میری عرض سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر حرام اور حلال کا مسئلہ پیدا نہ ہو اور مفہوم کو تم پوری طرح سمجھو تو حروف میں کمی بیشی کوئی ایسی بات نہیں''۔

اس حدیث کا تذکرہ جب امام حسن (بصری) کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر مفہوم بیان کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو ہم روایت کیسے کرتے؟

امام شافعیؒ نے (انزل القرآن علی سبعة أحرف فاقروء ا ماتیسر منه') کو بنیاد بنا کر اس ضمن میں گفتگو کی ہے۔آپؒ لکھتے ہیں:

(وإذا کان اللہ برأفته بخلقه انزل کتابه علی سبعة أحرف علمنا منه بأن الکتاب قد نزل لتحل لھم قرأته ، وإن اختلف لفظھم فیه مالم یکن اختلافھم احالة معنی کان ما سوی کتاب اللہ اولی أن یجوز فیه إختلاف اللفظ مالم یحل معناہ) (الرسالة : ص. ۲۷۴)

ہم عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ باتوں کو دہراتے رہتے ہیں اس لئے تقدیم وتاخیر ہو جاتی ہے۔

امام بیہقی ،شعیب بن الحجاب سے نقل کرتے ہیں آپ نے کہا:

(دخلت انا و عبد ان علی الحسن، فقلنا: یا أبا سعید! الرجل یحدث بالحدیث فیزید فیه أو ینقص منه؛ قال: إنما الکذب علی من تعمد ذلک)

میں اور عبدان حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے بات چیت کے دوران میں ہم نے آپ سے پوچھا: ابوسعید! اس راوی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو حدیث روایت کرتے وقت حروف میں کمی بیشی کرتا ہے؟...... آپ نے فرمایا: اس کا یہ عمل جھوٹ کے زمرہ میں نہیں آتا...... جھوٹا راوی وہ ہے جو جان بوجھ کر حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کرتا ہے اوراس کے مفہوم کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

جریر بن حازم کہتے ہیں:

(سمعت الحسن یحدث بأحادیث، الأصل واحد والکلام مختلف)

میں نے حضرت حسن بصری سے کئی ایسی روایات سنیں جن کا مفہوم ایک تھا اور الفاظ مختلف تھے۔

ابن عون کہتے ہیں:

(کان الحسن وابراهیم الشعبی یأتون بالحدیث علی المعانی)

حسن بصری ابراہیم نخعی اور شعبی حدیث کی روایت کرتے وقت معنی ومفہوم کو پیش نظر رکھتے تھے اور قاسم بن سعید، ابن سیرین اور رجاء بن حیوہ الفاظ وحروف کا التزام کرتے تھے۔

ابواویس کہتے ہیں:

(سألنا الزهری عن التقدیم والتأخیر فی الحدیث. فقال: إن هذا یجوز فی القرآن فکیف به فی الحدیث؟ إذا أصبت معنی الحدیث فلم تحل به حراماً ولم تحرّم به حلالاً فلا بأس)

ہم نے امام محمد بن شہاب الزہری سے حدیث کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا: تقدیم وتاخیر اگر آیات میں جائز ہے تو روایات میں کیوں جائز نہیں۔ اگر آپ کی رسائی حدیث کے صحیح مفہوم تک ہے اور الفاظ کی تبدیلی سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہیں ہوتا تو ایسی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں۔

سفیان کہتے ہیں:

(كان عمر بن دينار يحدث بالحديث على المعنى، وكان إبراهيم بن ميسره لا يحدث إلا على ماسمع)

عمرو بن دینار حدیث کا معنی ومفہوم بیان کرتے تھے اور ابراہیم بن میسرہ حدیث کے الفاظ وکلمات کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت وکیع کہتے ہیں:

(إن لم يكن المعنى واسعا فقد هلك الناس)

حدیث کی روایت میں اگر مفہوم بیان کرنے کی گنجائش نہ ہوتو حدیث کے رواۃ کے پاس کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

حافظ ابن حجر ان اقوال کو پیش نظر رکھ کر اپنی تعلیق میں کہتے ہیں:

(ومن اقوى حججهم الاجماع على جوازشرح الشريعة بلسانها للعارف به، فاذا جاز الإبدال بلغة اخرى ، فجوازه باللغة العربية أو لى)

روایۃ بالمعنی کے قائلین کے پاس سب سے زیادہ مضبوط اور ٹھوس دلیل یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعبیر وتشریح دوسری زبانوں میں بالاتفاق جائز ہے۔ اگر عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں شریعت کی تشریح وتفسیر جائز ہے تو عربی زبان میں متبادل الفاظ کا سہارا لیکر مفہوم بیان کرنے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے۔

خطیب بغدادی نے ''الکفایۃ'' میں حافظ سخاوی نے ''فتح المغیث'' میں اور علامہ جلال الدین السیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں اس موضوع پر اچھی خاصی روایات جمع کی ہیں۔ اگر آپ تفصیل دیکھنا چاہیں تو ان کتب کی طرف رجوع کریں۔

خود آزمائی ①

۱- روایۃ باللفظ کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟

۲- روایۃ بالمعنی کی تعریف میں علماء حدیث کے اقوال بیان کیجئے۔

۳- امام غزالی نے ''روایۃ الحدیث بالمعنی'' کے سلسلہ میں علماء کا کیا موقف بتایا ہے۔

۴- امام ابن حزم اندلسی نے ''روایۃ بالمعنی'' کے بارے مس کیا اصول بتایا ہے۔

۵- علامہ سیف الدین آمدی نے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام حسن بصری اور جمہور فقہا کا روایۃ بالمعنی کے ضمن میں کیا موقف بیان کیا ہے۔

۶- کیا ہر قسم کا راوی روایۃ بالمعنی کر سکتا ہے؟

۷- روایۃ بالمعنی کے بارے میں بنیادی طور پر کتنے مواقف پائے جاتے ہیں۔

۸- امام طبرانی نے معجم کبیر میں کون سی روایت نقل کی ہے۔

③ روایۃ بالمعنی جائز نہیں

آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک روایۃ بالمعنی جائز نہیں۔ ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ راوی جن الفاظ وکلمات کے ساتھ حدیث اپنے شیخ سے حاصل کرے انہی الفاظ و کلمات کے ساتھ اس کی روایت کرے۔ الفاظ وکلمات میں تقدیم وتاخیر اور تبدیلی ان حضرات کے ہاں جائز نہیں...... یونٹ کے اس حصہ میں ہم دیکھیں گے کہ ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں کس نوعیت کے دلائل دیئے ہیں...... آپ اس حصہ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں...... اس موقف کا ذکر کرتے ہوئے خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

(قال كثير من السلف وأهل التحرى فى الحديث لا تجوز الرواية على المعنى، بل يجب مثل تأدية اللفظ بعينه من غير تقديم ولا تاخير ولا زيادة ولا حذف......)(الكفاية فى علم الرواية: ص.۱۹۸)

علمائے سلف اور حدیث کے معاملہ میں محتاط رہنے والے علماء کی بڑی جماعت کا موقف یہ ہے کہ روایۃ بالمعنی جائز نہیں...... ان حضرات کا کہنا ہے کہ الفاظ کو تقدیم وتاخیر اور ترمیم کے بغیر ادا کرنا واجب اور ضروری ہے...... اس موقف سے تعلق رکھنے والے بعض علماء کی روایات اور اقوال کو ہم نے نقل کیا ہے۔ ان کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ راوی جس درجہ کا بھی ہو اس کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' جائز نہیں...... وہ الفاظ کے مفہوم، ترتیب، موضوع اور متبادل کلمات میں متن بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تب بھی ضروری ہے کہ ''روایۃ باللفظ'' کرے۔

حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں:

(ذهب قوم إلى إتباع لفظ الحديث...... (شرح علل الترمذی: ج۔ ۱، ص۔ ۱۴۵)

علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ حدیث کی روایت کرتے وقت الفاظ وکلمات کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اس جماعت میں ابن عمر، قاسم بن محمد، ابن سیرین، رجاء بن حیوہ، مالک بن انس، ابن عیینہ، عبدالوارث، یزید بن ذریع اور وہیب شامل ہیں۔ امام احمد بن حنبل ور یحیی بن معین کی رائے بھی یہی ہے۔

علامہ سیف الدین الآمدی لکھتے ہیں:

(ونقل عن إبن سيرين وجماعة من السلف وجوب نقل اللفظ على صورته...... وهو إختيار أبى بكر الرازى من أصحاب أبى حنيفة) (الإحكام فى أصول الاحكام :ج۔ ۲، ص۔ ۱۴۷)

امام ابن سیرین اور علمائے سلف کی ایک جماعت کا موقف یہ نقل لیا گیا ہے کہ حدیث کے الفاظ و کلمات کو ہو بہو نقل کرنا ضروری اور لازمی ہے...... ائمہ احناف میں سے امام ابوبکر رازی نے اس موقف کو پسند کیا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں:

(وقيل لا تجوز له الرواية بالمعنى مطلقاً، قاله طائفة من المحدثين والفقهاء والأصوليين من الشافعية وغيرهم) (فتح المغيث: ج۔ ۳،ص۔ ۱۴۰)

روایۃ بالمعنی کے ضمن میں ایک قول یہ ہے کہ حدیث کے راوی کیلئے روایۃ بالمعنی بالکل جائز نہیں...... یہ موقف بعض محدثین، کچھ فقہاء اور شوافع میں سے ایک جماعت کا ہے۔

دلائل:

ان حضرات کے پاس اپنے موقف کی تائید کیلئے بنیادی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((عن عبدالله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ نضّر الله امرأً سمع منا حديثاً فأدّى

كما سمعه، فرُبَّ مبلغ أوعى من سامع) (جامع ترمذی: ج. ۵، ص. ۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور پھر اس حدیث کو ہو بہو دوسروں تک پہنچایا'' کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ براہ راست سننے والے کے مقابلہ میں بالواسطہ سننے والا زیادہ سمجھ دار اور دانشمند ہوتا ہے۔ خطیب بغدادی نے ابن عمرؓ کے حوالے سے اپنی کتاب ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں یہ روایت نقل کی ہے:

(عن محمد بن علی قال: كان إبن عمر إذا سمع الحديث لم يزد فيه ولم ينقص منه ولم يجاوزه ولم يقصر عنه)

خطیب لکھتے ہیں کہ ابن عمرؓ حدیث کے الفاظ وکلمات میں تقدیم وتاخیر کے بھی روادار نہیں تھے۔ اس ضمن میں آپ نے یہ روایت نقل کی ہے:

((عن عبيد بن عمير وهو يقص يقول: قال رسول الله ﷺ: مثل المنافق كمثل الشاة الرابضة بين الغنمين، فقال إبن عمر: ويلكم لا تكذبوا على رسول الله ﷺ انما قال رسول الله: مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين)) (الكفاية فى علم الرواية: ۱۷۳)

عبید بن عمر کہتے ہیں کہ ایک موقع پر وہ یہ حدیث بیان کرر ہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو بکریوں کے درمیان گھسٹ کر چلتی ہے''......ابن عمرؓ نے یہ کلمات سنے۔ تو فوراً اپنا ردعمل ظاہر کیا اور کہا: تم لوگوں کو کیا ہوا؟ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ کلمات منسوب کرر ہے ہو جو آپ نے ادا نہیں کئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے''منافق کی مثال اس بچھڑی ہوئی بکری کی ہے جو بکریوں کی دو ٹکڑیوں کے درمیان چلے''۔

خطیب لکھتے ہیں کہ ابن عمرؓ کو الفاظ میں بھی تقدیم وتاخیر گوارا نہ تھی...... اس سلسلے میں آپ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

یزید بن بشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے پوچھا آپ حج وعمرہ کرتے ہیں لیکن جہاد نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے! جب اس شخص نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو ابن عمرؓ نے اس کو مخاطب کیا اور کہا:

(ویحک انَّ الاسلام بنی علی خمس : شهادة ان لا اله الا الله، واقام الصلاة، و ایتاء الزكاة، وحج البيت، وصيام، رمضان، قال يزيد بن بشر، فقلت له : وانا مستفهم بنى الاسلام على خمس : شهادة ان لا اله الا الله، واقام الصلاة وايتاء الزكاةو صوم رمضان و حج البيت...... فقال إبن عمر: لا حج البيت، ولكن وصيام رمضان ...... هكذا قال رسول الله ﷺ (الكفاية فى علم الرواية :ص.۱۷۶)

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔اس بات کی گواہی کہ اللہ جل شانہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور ماہ رمضان میں روزے رکھنا...... یزید بن بشر کہتے ہیں: میں نے کہا اور میں سمجھنا چاہتا تھا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔شہادت توحید، اقامت صلاۃ، اداء زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج بیت اللہ...... میری ترتیب سن کر ابن عمرؓ نے کہا: بیت اللہ کا حج نہیں بلکہ آخر میں ''صیام رمضان''...... رسول اللہؐ نے اس ترتیب کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

خطیب بغدادی نے اس بارے میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے:

(حدثنا سفيان : قال حدثنا الزهرى أنه سمع انس بن مالك يقول: نهى رسول الله ﷺ عن الدباء والمزفت ان ينتبذ فيه ......فقيل لسفيان: ان ينبذ فيه؟......فقال: لا ، هكذا قال لنا الزهرى) (الكفاية : ص.۱۷۷)

سفیان کہتے ہیں کہ زہری نے انہیں بتایا کہ انہوں نے انس بن مالک کو یوں کہتے ہوئے سُنا: رسول اللہ ﷺ نے دباء (کدو کا برتن) اور مزفت (تارکول ملا برتن) میں نبیذ بنانے سے منع کیا......سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ متن میں ''ان ينبذفيه'' کے الفاظ ہیں یا ''أن ينتبذفيه'' کے؟ سفیان نے جواب دیا! ہم نے زہری سے ''أن ينتبذفيه'' کے الفاظ سنے ہیں......سفیان ثوری کا مقصد یہ تھا کہ جو کلمات انہوں نے

امام زہری سے سنے ہیں وہی ان کے نزدیک قابل اعتماد اور قابل ترجیح ہیں۔ حضرت اعمش کہتے ہیں۔

(کان هذا العلم عند اقوام کان احدهم لأن یخر من السماء احب إلیه من أن یزید فیه واوا أوالف او دالاً) (الکفایة : ص.۱۷۸)

یہ علم (حدیث) ان حضرات کے ہاتھوں میں رہا۔ جنہیں آسمان سے گرنا گوارا تھا لیکن اس میں واؤ، الف اور دال تک کا اضافہ گوارا نہ تھا۔

حدیث کا اصل مفہوم ضائع ہونے کا احتمال

جو حضرات روایۃ بالمعنی کے جواز کے قائل نہیں ان کی ایک اہم اور بنیادی دلیل یہ بھی ہے کہ روایۃ بالمعنی کی اجازت اگر دے دی جائے تو حدیث کے اصل مفہوم اور مقصد کی حفاظت بہت دشوار ہو جائے گی۔ سند میں اگر سات راوی ہوں اور ہر ایک راوی نے اپنے الفاظ میں ''متن'' روایت کیا ہو تو پہلے راوی سے لے کر ساتویں راوی تک متن کے الفاظ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوں گے...... عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ سامع جب دوسروں کے سامنے کلام بیان کرتا ہے تو اس میں قدرتی طور پر رد و بدل ضرور کرتا ہے...... علمائے حدیث نے متن کے الفاظ وکلمات کی حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ اصول اختیار کیا کہ روایۃ بالمعنی سے اجتناب کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ حدیث ان الفاظ وکلمات میں بیان کی جائے جن کلمات کے ساتھ وہ اوپر کے طبقات سے چلی ہو۔ اس سلسلے میں علامہ جلال الدین السیوطی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے۔

روایۃ بالمعنی کا سد باب بہت ضروری ہے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ جو راوی روایۃ بالمعنی کی صلاحیت سے عاری ہیں انکا غلبہ ہو جائے اور جو روایۃ بالمعنی کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ دب جائیں...... عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ لوگ رخصت کو بنیاد بنا کر احتیاط کا دامن چھوڑ دیتے ہیں...... یہ کسی ایک دور کی بات نہیں ہر دور میں ایسا ہوتا آ رہا ہے۔ روایۃ بالمعنی کی اجازت کے مقابلہ میں یہ اصول بہر حال بہتر ہے کہ حدیث کی روایت باللفظ کی جائے اور اس کے متن میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ خاص کر وہ روایات جن میں تعبدی الفاظ بیان

ہوتے ہوں۔ ان کی روایت میں یہ شرط لگائی جائے کہ انہیں ہو بہ ہو نقل کیا جائے (تدریب الراوی: ج۔۲،ص ۹۵)

امام بیہقی اور خطیب نے امام مالک کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ حدیث کے علاوہ دیگر روایات کے بارے میں روایۃ بالمعنی کے قائل تھے......لیکن حدیث کی روایت میں لفظ کی رعایت آپ کے نزدیک واجب تھی۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ امام مالک روایۃ بالمعنی کے بالکل قائل نہیں تھے۔ آپ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

(ویدل علی ذلک قوله: لا اکتب الا عن رجل یعرف ما یخرج من رأسه وذلک فی جواب من قال له' :لم لم تکتب عن الناس و قد أدرکتهم متوافرین وکذلک ترکه الأخذ من لهم فضل وصلاح اذا کانوا لایعرفون مایحدثون) (توجیه النظر: ص.۳۰۵)

امام مالک کا موقف اس لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ایک بار جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے بہت سارے رواۃ کو پایا لیکن ان سے روایت نہیں لی۔تو آپ نے جواب دیا:''میں کسی ایسے راوی سے اخذ نہیں کرتا جو اس حدیث کے بارے میں نہ جانتا ہو جس کے الفاظ وہ اپنی زبان سے بیان کرتا ہے''۔

......امام مالک نے اپنے دور کے بڑے بڑے اہل فضل وکمال کی روایات کو اس لئے ترک کیا کہ وہ حدیث کی روایت کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں تھے۔

امام مالک کے اس اصول سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے دور میں روایۃ بالمعنی کا رواج تھا۔ اس دور میں چونکہ روایات کا دارومدار حافظہ پر تھا اس لئے امام مالک، ابن سیرین اور امام ابوحنیفہ نے روایات کے اخذ اور تحدیث کیلئے ایسے اصول مقرر کئے جو دیگر فقہاء اور محدثین کے تداول کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھے۔خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں اس موضوع سے متعلق بہت ساری روایات نقل کی ہیں۔ اور ہر پہلو سے اس کا جائزہ لیا ہے۔ امام ابن حزم ظاہری نے ''الإحکام فی اصول

الاحکام'' میں اس پر بحث کی ہے۔ ابن حزم چونکہ روایۃ بالمعنی کے قائل نہیں اس لئے انہوں نے ''روایۃ باللفظ'' کے حق میں گفتگو کی ہے...... شیخ طاہر بن صالح الجزائری نے ''توجیہہ النظر الی اصول الاثر'' میں اس موضوع کو بہت تفصیل کے ساتھ لیا ہے۔ اور متقدمین ومتاخرین علماء کے اقوال کو بہت خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا ہے...... آپ اگر اس موضوع پر مزید تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو ان مصادر کی طرف رجوع کریں۔ یہاں کوشش کی گئی ہے کہ بطور خلاصہ آپ کے سامنے علماء کے بنیادی اقوال پیش کئے جائیں......

اب ہم ''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں تیسرے موقف کا مطالعہ کریں گے۔ اور دیکھیں گے کہ اس موقف سے تعلق رکھنے والے علماء نے اس موضوع کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے اور اپنے موقف کی وضاحت میں کیا کچھ کہا ہے۔

④ روایۃ بالمعنی شروط کے ساتھ جائز ہے

''روایۃ بالمعنی'' کے سلسلے میں علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ نہ تو مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ شروط کے ساتھ جائز ہے...... حافظ ابن الصلاح اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

(فاما اذا کان عالماً عارفاً بذلک فهذا مما اختلف فيه السلف و أصحاب الحديث، و أرباب الفقه والأصول ، فجوّزه اکثرهم ......) (التقييد والايضاح: ص. ۲۲٦)

اگر راوی حدیث کے متن اور اس کے معنی و مفہوم کو پوری طرح سمجھتا ہو تو اس کی روایۃ بالمعنی کے بارے میں محدثین، فقہا اور اہل اصول کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی روایت میں ''روایۃ بالمعنی'' کی اجازت نہیں دی ہے اور صحابہ و تابعین کے اقوال کو بالمعنی نقل کرنے کی اجازت دی ہے...... زیادہ وقیع اور صحیح رائے یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے۔ بشرطیکہ راوی عالم ہو اسے یقین ہو کہ حدیث کا جو متن اس تک پہنچا تھا اس نے اس کے معنی و مفہوم کو پوری طرح ادا کر دیا۔ اس جواز کی بنیاد صحابہ کرام اور علماء سلف کے اس معمول پر ہے کہ یہ حضرات ایک معاملہ کو مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا کرتے تھے۔ روایت کرتے وقت ان کے پیش نظر معنی و مفہوم ہوتا تھا۔ الفاظ نہ ہوتے تھے۔

علامہ سیف الدین الآمدی اس بارے میں لکھتے ہیں:

(والذی علیه اتفاق الشافعی، ومالک و ابی حنیفة واحمد بن حنبل، والحسن البصری و اکثر الائمة......) الاحکام فی اصول الاحکام: ج. ۲، ص. ٤٦)

جس اصول پر امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام حسن بصری اور جمہور ائمہ کا اتفاق

ہے وہ یہ ہے کہ ایسے راوی کیلئے جو حدیث کے الفاظ وکلمات کی ترتیب وترکیب اور معنی ومفہوم سے پوری طرح آگاہ نہ ہوروایۃ بالمعنی حرام ہے...... اگر راوی حدیث کے متن کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور الفاظ وکلمات کے معنی ومفہوم سے واقف ہوتو بھی بہتر یہ ہے کہ حدیث روایت کرتے وقت متن کے الفاظ کو ہو بہو نقل کرے کیونکہ اس میں کمی بیشی اور تغییر وتاویل کا احتمال کم ہے...... اگر راوی عالم ہے اور متن کے الفاظ کے مفہوم ومقاصد سے پوری طرح باخبر ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ ''روایۃ بالمعنی'' کرے...... مقصد یہ ہے کہ ''روایۃ باللفظ'' بہرحال قابل ترجیح ہے...... لیکن عالم راوی کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' کا جواز موجود ہے۔

حافظ ابن رجب نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے:

(اما من اقام الاسناد وحفظه وغيَّر اللفظ فان هذا واسع عند اهل العلم ، اذا لم يتغير المعنى) (شرح علل الترمذی : ج. ١، ص. ١٤٥)

جس راوی نے سند کو اچھی طرح حفظ کیا اور اسے برقرار رکھا لیکن متن میں الفاظ کی تبدیلی کی...... تو علمائے حدیث کے ہاں اس پہلو سے بڑی گنجائش ہے بشرطیکہ لفظ کی تبدیلی سے مفہوم میں تبدیلی نہ آئے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

(اما الرواية بالمعنى، فالخلاف فيها شهير والاكثر على الجواز ايضاً) (نزهة النظر: ص. ٩٤)

جہاں تک روایۃ بالمعنی کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف مشہور ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک روایۃ بالمعنی جائز ہے۔

امام غزالی اپنی کتاب ''المستصفیٰ من علم الاصول'' میں لکھتے ہیں:

(نقل الحديث بالمعنى دون اللفظ حرام على الجاهل بمواقع الخطاب ، و دقائق الالفاظ......)(المستصفیٰ: ج. ١، ص. ١٦٨)

روایۃ بالمعنی ایسے راوی کیلئے بالکل ناجائز ہے جو حدیث کے متن کی ترتیب وترکیب اور معنی ومفہوم سے ناواقف ہو...... لیکن اس راوی کیلئے جو محتمل وغیر محتمل، ظاہر اور اظہر، عام اور اعم کے فرق کا علم رکھتا ہے روایۃ بالمعنی کو امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ متن کے معنی ومفہوم کو سوچ سمجھ کر نقل کرے۔

امام ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

(وحكم الخبر عن النبیّ أن یورد بنص لفظ لا یبدل ولا یغیّر، الا فی حال واحدة ، وهی أن یكون المرء قد تثبت فیه و عرف معناه یقینا، فیسئل فیفتی بمعناه وموجبه، أو یناظر فیحتج بمعناه و موجبه، فیقول: حكم رسول الله بكذا ، و امر علیه السلام بكذا، وأباح علیه السلام بكذا ، ونهی عن كذاوحرم كذا، والواجب فی هذه القضیة ماصح عن النبیّ وهو كذا) (الاحكام: ج. ۲، ص. ۸٦)

حدیث کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے بغیر کسی تغیّر کے ہو بہو بیان کیا جائے۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے جس میں حدیث کے مفہوم کو نقل کیا جاسکتا ہے۔ وہ یہ کہ راوی ثقہ اور حدیث کے معنی ومفہوم کو یقینی طور پر جانتا ہو...... جب اس سے سوال ہو تو وہ اس کے معنی ومفہوم کے مطابق جواب دے۔ جب وہ مناظرہ کرے تو اس کی بنیاد پر استدلال کرے اور کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فیصلہ فرمایا...... آپ ؐ نے یہ حکم دیا ...... آپ ؐ نے اس بات کی اجازت دی اور اس بات سے منع فرمایا...... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے۔

امام رازی کہتے ہیں:

(یجوز نقل الخبر بالمعنی وهو مذهب الحسن البصری ، وأبی حنیفة خلافا لإبن سیرین و بعض المحدّثین) (توجیه النظر : ص. ۳۰۰)

امام حسن بصری اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک روایۃ بالمعنی کی اجازت ہے ابن سیرین اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس کی اجازت نہیں۔

حافظ ابن رجب امام ترمذی کی رائے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ومقصود الترمذی بهذا الفصل الذی ذکره ههنا ان من اقام الأسانید و حفظها وغيّر المتون تغیّرا لا یغیر المعنی انه حافظ ثقة یعتبر بحدیثه......) (شرح علل الترمذی)

امام ترمذی نے یہاں جو گفتگو کی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جس راوی نے سند کو اچھی طرح یاد کیا اور اسے برقرار رکھا لیکن متن میں ایسی تبدیلی کی جس سے حدیث کے مفہوم میں تبدیلی نہ آئے ایسا راوی ثقہ اور ضابط ہے اور اس کی حدیث قابل اعتماد ہے اور یہ کہ روایۃ بالمعنی اس پہلو سے جائز ہے اور علماء سے اس پر عمل منقول ہے آپ کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ روایۃ بالمعنی پر علماء کے ہاں اجماع رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ...... یہ علماء کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے اور امام احمد نے اس کی وضاحت کی ہے آپؒ کہتے ہیں کہ محدّثین روایۃ بالمعنی شروع سے کرتے چلے آرہے ہیں لیکن یہ صرف اس راوی کیلئے جائز ہے جو عربی زبان اور عربی کے مختلف لہجات کا عالم ہو۔ روایات کے الفاظ وکلمات کے معنی ومفہوم کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور کلمات کے متبادل کلمات کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہو...... امام شافعی نے ان شرائط کی وضاحت کی ہے۔

حافظ ابوبکر ابن العربی کا موقف یہ ہے کہ روایۃ بالمعنی کو دور صحابہ تک محدود رکھنا چاہئے صحابہ کرام اگر روایۃ بالمعنی کرتے تھے تو ان کے دور تک اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال کے براہ راست سامع اور شاہد تھے اور اصول یہ ہے کہ ''شنیدہ کے شود مانند دیدہ'' ...... آپ لکھتے ہیں:

(إن هذا الخلاف انما یکون فی عصر الصحابة و منهم . وأما من سواهم فلایجوز لهم تبدیل اللفظ بالمعنی وإن استوفی ذلک المعنی، فانه لو جوّزنا لکل واحد لما کنّا علی ثقة

من الأخذ بالحديث......)

روایۃ بالمعنی کے سلسلہ میں اختلاف صحابہ کرام کے دور سے شروع ہوا اور اب تک چل رہا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے علاوہ کسی اور کیلئے روایۃ بالمعنی کی اجازت دینا مناسب نہیں ...... اگر چہ اس کا مفہوم پوری طرح منتقل ہو اگر ہم نے روایۃ بالمعنی کی اجازت ہر ایک راوی کو دے دی۔ تو اس طرح اخذ حدیث کے سلسلے میں ہمارے اعتماد کی بنیاد ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ہمارے دور تک ہر ایک راوی نے یکے بعد دیگرے متن کو بدل دیا ہوگا ...... اور متن کے الفاظ و کلمات میں کئی بار تبدیلی آ چکی ہوگی ...... ہر ایک راوی نے اپنے ذہن اور سطح کے مطابق الفاظ کا انتخاب کیا ہوگا اور حدیث کے اصل الفاظ مرور زمانہ کے ساتھ گم ہو چکے ہوں گے ...... جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے تو ان کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ان میں دو خصوصیات ایسی تھیں جو بعد کے ادوار کے رواۃ کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ایک یہ کہ ان کی زبان بہت صاف اور فصیح و بلیغ تھی۔ دوسری یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو براہ راست سنا اور آپ کے افعال کا مشاہدہ کیا ...... براہ راست سماع اور مشاہدہ کی وجہ سے انہوں نے روایات کے معانی کا پوری طرح ادراک کیا ...... یہ حقیقت ہے کہ براہ راست سننے اور دیکھنے والے کی معلومات میں جو وثوق ہوتا ہے وہ بالواسطہ سننے والے کی معلومات میں نہیں ہو سکتا۔

آپ دیکھتے نہیں کہ صحابہ کرام جب حدیث روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اور ایسا کرنے سے منع فرمایا ...... ان کا اس طرح روایت کرنا بالکل درست اور یقینی ہوتا ہے اگر چہ روایت کرتے وقت یہ الفاظ کا خیال نہیں رکھتے ...... یہ ایسی حقیقت ہے جس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عبدالعلی نے اپنی کتاب ''فواتح الرحموت'' میں روایۃ بالمعنی پر بحث کی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے امام فخر الاسلام کے اصول کی وضاحت کی ہے ...... یہاں ہم اس بحث کا مفہوم پیش کر رہے ہیں۔

امام فخر الاسلام نے جو بحث کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ روایت کی پانچ قسمیں ہیں:

(i) متن بالکل واضح ہواور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو جیسے مفسر اور محکم۔

(ii) متن میں تاویل کا احتمال ہو۔

(iii) متن ایسے الفاظ وکلمات پر مشتمل ہو جن میں اشتراک اور اشکال پایا جائے اور تاویل کے بغیر کام نہ چل سکے جیسے مشترک اور مشکل۔

(iv) تاویل کے باوجود متن کے اصل مفہوم کا ادراک نہ ہو سکے جیسے متشابہ۔

(v) جوامع الکلم

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے اس کی روایۃ بالمعنی ہر اس راوی کیلئے جائز ہے جو عربی زبان سے پوری طرح واقف ہو۔ ایسی حدیث میں چونکہ تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے اس کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا۔

دوسری قسم میں روایۃ بالمعنی صرف اس راوی کیلئے جائز ہے جو فقیہ ہو اگر غیر فقیہ کو اس صورت میں روایۃ بالمعنی کی اجازت دی جائے تو ممکن ہے وہ ایسا متبادل لفظ استعمال کرے جو اس تاویل کا متحمل ہی نہ ہو...... جہاں تک فقیہ کا تعلق ہے تو وہ ہر لفظ کے موقع ومحل کو پہچانتا ہے اس لئے وہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں کرے گا جس سے متن کا مفہوم بدل جائے۔

تیسری قسم میں روایۃ بالمعنی بالکل جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مفہوم تاویل کے بغیر واضح نہیں ہوسکتا۔ تاویل میں چونکہ رائے کا استعمال ہوتا ہے اور رائے میں خطا وصواب دونوں کا امکان ہے۔ اس طرح ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسے حکم کی نسبت ہو جائے جس کا تعلق آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے نہ ہو۔

چوتھی قسم وہ ہے جس میں روایۃ بالمعنی کی گنجائش ہی نہیں اس لئے کہ متشابہ کے معنی تو تاویل کے باوجود سمجھ میں نہیں آتے۔ جہاں تک پانچویں قسم کا تعلق ہے تو اس کی روایۃ بالمعنی بھی جائز نہیں اس لئے کہ جوامع الکلم رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مختص ہیں۔ اور ان کے متبادل الفاظ لائے ہی نہیں جاسکتے۔ (فواتح الرحموت: ج۔۲،ص۔۱۶۷)

جوحضرات ''روایۃ بالمعنی'' کے مشروط جواز کے قائل ہیں انہوں نے اس بارے میں جو شرائط وضع کی ہیں ہم ترتیب کے ساتھ ان شرائط کو پیش کرتے ہیں تا کہ آپ کو ان کے سمجھنے اور ذہن میں رکھنے کے لحاظ سے سہولت ہو۔

(i) ''روایۃ بالمعنی'' اس راوی کیلئے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی لیکن بعد میں ایسا ہوا کہ متن کے الفاظ وکلمات اس کے ذہن سے اتر گئے اور معنی ومفہوم محفوظ رہا...... (الباعث الحثیث: ص۔۴۷)

(ii) روایۃ بالمعنی اس راوی کیلئے جائز ہے جس کے پاس الفاظ کا بھرپور ذخیرہ ہو اور وہ الفاظ کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (نزھۃ النظر۔ص:۹۵)

(iii) مفردات میں لفظ کی تبدیلی جائز ہے لیکن مرکبّات میں نہیں۔اس لئے کہ مرکبّات کے متبادل مرکبات کا لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ (نزھۃ النظر:ص۔۹۵)

(iv) ''روایۃ بالمعنی'' ایسے راوی کیلئے جائز ہے جو الفاظ ومعانی کے مدلولات اور دقائق کا عالم ہو...... یہ جمہور فقہاء اور محدّثین کا موقف ہے۔ (الاحکام للآمدی۔ج۔۲،ص۔۱۴۶)

(v) مترادفات کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ واقعی مترادفات ہوں اور ان سے صحیح مفہوم ادا ہوتا ہو۔ (الاحکام للآمدی: ج۔۲،ص۔۱۴۶)

(vi) حدیث رسولؐ میں ''روایۃ بالمعنی'' جائز نہیں جبکہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار میں جائز ہے۔ (الکفایۃ:ص۔۱۸۸)

(vii) جوامع الکلم میں ''روایۃ بالمعنی'' جائز نہیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔ (تدریب الراوی: ج۔۲،ص۔۹۵)

(viii) حدیث کا تعلق اگر امور تعبدّی سے ہو تو اس کی روایۃ بالمعنی جائز نہیں ہے جیسے تکبیر صلوٰۃ، تشہد وغیرہ۔

(ix) اگر حدیث کا تعلق احکام سے ہے تو روایۃ بالمعنی کی صورت میں راوی کیلئے فقیہ ہونا ضروری

ہے۔(فواتح الرحموت: ج۔۲،ص۔۱۶)

(x) ''روایۃ بالمعنی'' صحابی کیلئے جائز ہے۔غیر صحابی کے لئے جائز نہیں۔(احکام القرآن: ج۔۱،ص۔۱۰)

علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے امام قرافی کے حوالے سے تین شرائط کا تذکرہ کیا ہے۔

(i) متبادل الفاظ اصل الفاظ کے مفہوم کو پوری طرح ادا کرتے ہوں۔

(ii) متن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آئے۔

(iii) ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مفہوم کی ادائیگی میں فرق نہ آئے۔

یہ تینوں شرائط ملتی جلتی ہیں ...... اور دیگر علماء نے جو شرائط بیان کی ہیں ان میں یہ بھی شامل ہیں......(توجیہ النظر: ص۔۳۰۰)

4.1 دلائل

جن علماء کے نزدیک روایۃ بالمعنی شروط کے ساتھ جائز ہے انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں نقلی اور عقلی دلائل دیئے ہیں۔متقدمین اور متاخرین کے دلائل میں بڑی حد تک یکسانیت ہے۔علامہ سیف الدین الآمدی نے اپنی کتاب ''الإحکام فی أصول الاحکام'' میں ان دلائل کو بہت عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ہماری کوشش ہوگی کہ ان دلائل کو آسان اور سلیس انداز میں آپ کے سامنے رکھیں۔آپ یونٹ کے اس حصہ کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھیں اور کوشش کریں کہ یہ دلائل آپ کو اچھی طرح ذہن نشین ہوں۔

علامہ آمدی لکھتے ہیں:

(والمختار مذهب الجمهور، ويدل عليه النص ، الإجماع والمعقول......) (الإحكام فی اصول الاحکام: ج. ۲، ص. ۱۴۷)

روایۃ بالمعنی کے سلسلے میں جمہور کا موقف پسندیدہ ہے اس موقف کی تائید نص، اجماع اور عقل سے ہوتی ہے۔

4.2 نص

امام احمد نے اس ضمن میں دو دلائل پیش کئے ہیں ایک تو عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جس کا متن یہ ہے:

(ان رجلا سأل النبیّ وقال له: یا رسول اللہ! تحدثنا بحدیث لا نقدر أن نسوقه کما سمعناه، فقال: إذا أصاب احدکم المعنی فلیحدث)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے رسولؐ! ہم آپ سے آپ کے ارشادات سنتے ہیں۔لیکن جن الفاظ کے ساتھ آپ سے سنتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔ اس بارے میں آپ کا فرمان کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: جب تم میں سے کوئی میری حدیث سن لے اور وہ اس کے صحیح مفہوم کو دوسروں کے سامنے بیان کر سکے تو اسے چاہیے کہ دوسروں کے سامنے بیان کیا کرے۔

اس حدیث کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی اس حدیث سے ٹکرا رہی ہے جس میں ''اداها کما سمعها'' منقول ہے اور جسے ''روایۃ بالمعنی'' کے مخالفین اپنے موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں......امام غزالی اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

''یہ حدیث بذات خود مختلف الفاظ سے منقول ہے۔اگرچہ اس بات کا امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف الفاظ استعمال کئے ہوں لیکن غالب امکان یہ ہے کہ یہ ایک حدیث ہے جو مختلف الفاظ میں مختلف رواۃ سے منقول ہے......کہیں ''رحم اللہ امرأ'' کے الفاظ آتے ہیں اور کہیں ''نضر اللہ امرأ'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ''ربّ حامل فقه لا فقه له'' کے کلمات آئے ہیں اور کہیں ''حامل فقه غیر فقیه'' کے کلمات استعمال کئے گئے ہیں۔

یہی حال ان خطبات اور واقعات کا ہے جنہیں مختلف رواۃ نے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے...... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''روایۃ بالمعنیٰ'' جائز ہے......(المستصفیٰ: ج۔۱،ص۔۱۴۹)

اس ضمن میں دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں میں وہاں کے لوگوں کو سمجھانے کیلئے اپنے نمائندوں کو بھیجا...... یہ نمائندے آپ علیہ السلام کی ہدایات اور احکام اپنے الفاظ، اپنے انداز اور اسلوب میں وہاں کے عوام تک پہنچاتے تھے...... یہ عمل دور رسالت میں متداول رہا۔

4.3 اجماع

اجماع کے سلسلہ میں علاّمہ آمدی لکھتے ہیں:

(وأما الاجماع فما روی عن إبن مسعود ؓ أنه کان اذا حدث قال: قال رسو ل الله ﷺ هکذا، أو نحوه، ولم ینکر علیه منکر، فکان اجماع......) (الاحکام : ج.۲، ص.۱۴۷)

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو اس ضمن میں عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ عمل معروف ومشہور ہے کہ آپؓ جب حدیث بیان کرتے تو کہتے: رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا......یا......اس طرح فرمایا۔ابن مسعودؓ کے اس عمل پر کسی نے بھی کلام نہیں کیا۔جس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کے ہاں آپؓ کا یہ عمل ناپسندیدہ نہیں تھا۔

......اسی طرح ابو الدرداءؓ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب آپؓ حدیث بیان کرتے تو کہتے **(أو نحو هذ أو شبهه)**

4.4 آثار

روایۃ بالمعنی کے جواز کے ضمن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں...... علاّمہ آمدی نے آثار کے ضمن میں جو روایت پیش کی ہے وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں: ١

(عن محکول انه قال: دخلنا علی واثلة بن الأسقع فقلنا : حدثنا حدیثاً لیس فیه تقدیم ولا تاخیر، فغضب و قال: لا بأس اذا قدمت و اخرت إذا اصبتم المعنی) (الاحکام : ج.۲، ص.۱۴۸)

مکحول دمشقیؒ کہتے ہیں:

ہم واثلہ بن الاسقع کی خدمت میں حاضر ہوئے...... دوران گفتگو ہم نے عرض کیا: ہمیں ایسی حدیث سنائیے جس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہ ہو۔ ہماری یہ بات سن کر آپؓ کو اچھی نہیں لگی۔ پھر فرمایا۔ اگر تم حدیث کا معنی و مفہوم سمجھ لو تو الفاظ میں تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

4.5 عقلی دلیل

علامہ سیف الدین الآمدی نے نقلی دلائل کے بعد اس موضوع پر عقلی بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

(واما المعقول فمن وجهين : الاول . ان الاجماع منعقد على جواز شرح الشرع للعجم بلسانهم......) (الاحكام : ج. ۲، ص. ۱۴۸)

جہاں تک عقلی دلیل کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اہل عجم کے لئے ان کی زبان میں احکام شرعیہ کی تعبیر و تشریح کے جواز پر اجماع اور اتفاق ہے اس لئے اگر کسی نص کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے غیر عربی الفاظ کا استعمال ہوسکتا ہے تو عربی الفاظ کو مترادف الفاظ کے ساتھ پیش کرنے میں کیا حرج ہے۔

دوسری بات یہ کہ الفاظ مقصود بالذات نہیں ہوتے۔ معانی اور مفاہیم مقصود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مفہوم کئی الفاظ میں بیان کرتے تھے...... اصل مقصود معنی ہے اگر معنی حاصل ہوجائے تو الفاظ کے اختلاف کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''روایۃ بالمعنی'' میں ضروری ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے راوی کا محتاط رویہ ظاہر ہوتا ہو۔ مثلاً ''أو کما قال''، ''أو کما ورد'' وغیرہ عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ اور انس بن مالکؓ اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔ ''صحابہ کرامؓ اہل زبان تھے اور کلام کے مفہوم کو سمجھنے میں انہیں کوئی دقت نہیں تھی'' ان سے اس طرح کے جو الفاظ منقول ہیں یہ دراصل احتیاط اور خطا کے خوف کی وجہ سے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ روایت بالمعنی میں کیا کیا احتمالات ہو سکتے ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص۔ ۲۱۵: الکفایۃ۔ ص: ۲۰۵، ۲۰۶)

حافظ ابن الصلاح خطیب کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(قلت : واذا اشتبه على القارى فيما يقراه لفظة فقرأها على وجه يشک فيه'......)
(مقدمة: ص. ۲۱۵)

اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ جب راوی کو متن کے کلمات میں اشتباہ ہو جائے اور وہ کسی لفظ کو شک کے ساتھ ادا کردے اور اس شک کی بناء پر روایت کے آخر میں کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں کہا یا یوں کہا تو یہ بہت اچھی بات ہے اور ایسی صورت میں ایسا کہنا بالکل درست ہے۔ اس لئے کہ راوی کا ''اَوْ کما قال'' کہنا روایت کی اجازت میں شامل ہے۔ راوی کو روایت کی اجازت اس صورت میں ہوتی ہے جب متن کے بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف اور واضح ہو...... اگر وہ ''اَوْکما قال'' کہہ کر روایت کرتا تو پھر ''الاجازۃ'' کی شرط نہیں رہتی۔ جیسا کہ ہم پہلے اس پر بحث کر چکے ہیں۔

''روایۃ بالمعنی'' کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں جو اختلاف علماء کے ہاں ملتا ہے۔ ان ساری تفصیلات اور بحث وتمحیص کا تعلق اس دور سے ہے جب حدیث کی روایات تدوین وترتیب کے مراحل میں تھیں۔ اب جب حدیث کے ذخائر مختلف عنوانات اور انواع کے تحت مرتب شکل میں محفوظ ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کتب میں محفوظ روایات کو باالالفظ بیان کیا جائے اور بالمعنی روایت سے اجتناب کیا جائے۔ اب مصادر ومآخذ کی طرف رجوع کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر کسی کو اشتباہ ہو بھی جائے تو اس کا ازالہ بآسانی ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

(ثم إن هذا الخلاف لا نراه جاريا ولا اجراه الناس فيما نعلم فيما تضمنته بطون الكتب، فليس لأحد أن يغيّر لفظ شئى من كتاب مصنف و يثبت بدله فيه لفظاً آخر بمعناه......) (مقدمه: ص. ۲۱۴)

جہاں تک ''روایة بالمعنی'' کے سلسلے میں اختلاف کا تعلق ہے تو یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ہم اس اختلاف کو جاری نہیں سمجھتے۔ ہمارے مطالعہ اور معلومات کے مطابق علماء نے اس اختلاف کو (تدوین روایات) کے بعد جاری نہیں رکھا۔ اس بناء پر اب کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ کسی ''مصدر'' اور ''ماخذ'' کی حدیث کے الفاظ میں تبدیلی کر سکے۔ اور اپنی طرف سے مترادف الفاظ اس میں داخل کرے ..... ''روایة بالمعنی'' کی اجازت جن علماء نے دی اور جن علماء کو دی یہ اس وقت کی بات ہے جب الفاظ کو ضبط کرنے اور ہو بہو برقرار رکھنے میں دقت اور مشقت تھی (اور تدوین و ترتیب روایات کا کام جاری تھا) اب صورت حال یہ ہے کہ روایات کے الفاظ وکلمات اوراق و کتب میں محفوظ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص الفاظ میں تبدیلی کرنا چاہے تو مصادر میں تبدیلی کرنا اس کے بس میں نہیں ...... اس لئے اب ''روایة بالمعنی'' کی گنجائش نہیں۔

''روایة بالمعنی'' کے بارے میں اس بحث اور علماء کے اقوال سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حدیث کی روایات کو ضبط کرنے کے سلسلے میں ہمارے اسلاف نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان حضرات نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال امت مسلمہ کے افراد تک پوری صحت کے ساتھ پہنچائیں ..... آج جو لوگ ''روایة بالمعنی'' کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ حدیث کے بنیادی مصادر میں جو روایات موجود ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں بلکہ محدثین کے خود ساختہ الفاظ وکلمات ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ محدثین نے ''روایة بالمعنی'' کی آڑ میں اپنی مرضی کی عبارات کو ترتیب دے کر حدیث کا نام دیا ہے ..... ان لوگوں میں زیادہ تر تو ایسے ہیں جنہیں محدثین اور مجتہدین کے اصولوں کا علم ہی نہیں۔ محض سنی سنائی باتوں یا سطحی مقالات کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اپنا ذہن بنالیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو جان بوجھ کر محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر بہت دور کی کوڑی لا کر ان افراد کا ذہن خراب کرنا چاہتے ہیں جنہیں حدیث اور علماء حدیث کے اصولوں کا علم نہیں۔ یہ لوگ اگر پوری دیانت کے ساتھ محدثین اور فقہا کے مساعی اور مبادی کا مطالعہ کریں۔ تو انہیں یہ اعتراف کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ علماء نے اس علم کی

خدمت محض علم کے طور پر نہیں کی بلکہ عبادت اور ذریعہ نجات کے طور پر کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کا تعلق اس علم سے رہا انہوں نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو اس کی خدمت، ترویج اور آبیاری کے لئے استعمال کیا...... ''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں راوی کے لئے جو کڑی شرائط علماء نے رکھی ہیں۔ ان کا مطالعہ آپ نے کرلیا۔ یونٹ میں چونکہ زیادہ تفصیلات کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے چیدہ چیدہ نکات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ آپ اگر اس موضوع پر مزید تفصیل میں جانا چاہیں تو ان مأخذ کا مطالعہ کریں جن کا تذکرہ اس یونٹ میں حوالہ جات کے ضمن میں آیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔علم حدیث کا فہم حاصل ہو اور اس کی خدمت کے کیلئے صلاحیت اور مواقع نصیب ہوں۔...... آمین یارب العالمین!

خود آزمائی ②

۱- خطیب بغدادی نے ''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں جمہور علماء حدیث کا کیا موقف بتایا ہے۔

۲- حافظ ابن رجب حنبلی نے ''روایۃ باللفظ اور روایۃ بالمعنی'' کے بارے میں کیا تجزیہ کیا ہے۔

۳- جو حضرات ''روایۃ بالمعنی'' کے قائل نہیں ان کے پاس اپنے موقف کی تائید میں بنیادی دلیل کون سی ہے؟

۴- کیا راوی متن حدیث کے الفاظ وکلمات میں تقدیم وتاخیر کرسکتا ہے۔

۵- امام بیہقی اور خطیب بغدادی نے ''روایۃ بالمعنی'' اور ''روایۃ باللفظ'' سے متعلق امام مالک کا کیا موقف بتایا ہے۔

۶- علماء نے ''روایۃ بالمعنی'' کے جواز کے لئے کونسی شروط وضع کی ہیں۔

۷- امام رازی نے ''روایۃ بالمعنی'' سے متعلق فقہاء کا کیا مسلک نقل کیا ہے۔

۸- حافظ ابوبکر العربی نے ''روایۃ بالمعنی'' کو کس دور تک محدود رکھا ہے۔

4۔

اقسامِ حدیث

1۔ سند کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

2۔ متن کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

3۔ صحت کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

تقسیم حدیث باعتبار سند

سند راویوں کے واسطے کو کہتے ہیں جن کے ذریعے حدیث نقل کی جاتی ہیں۔ کسی بھی روایت کو نقل کرنے والے راویوں کی تعداد کبھی تو بہت زیادہ ہوتی ہے کبھی راویوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ ذیل میں سند کے راویوں کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم ذکر کی جاتی ہے۔

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں

1 خبر متواتر 2 خبر واحد

1 خبر متواتر

متواتر کا لغوی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے پیچھے وقفے کے ساتھ آنا ہے۔

متواتر کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ ایسی حدیث جس کو ایسی جماعت روایت کرتی ہوں جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلا اور عادتا ممکن نہ ہو۔

اس تعریف سے متواتر کی درج ذیل شرائط سامنے آتی ہیں۔

1.1 متواتر کی شرائط

1. اس کی سندیں کثیر تعداد میں ہوں۔
2. اس کے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔
3. سند کے شروع سے لے کر آخر تک ہر زمانے میں راویوں کی تعداد کثیر رہے۔
4. حدیث کا تعلق سماع یا مشاہدہ سے ہو۔ یعنی اس کے بارے میں راوی یہ کہے "ہم نے سنا" یا یہ کہے "ہم نے دیکھا"۔
5. اس سے ایسا علم حاصل ہو جس کو مسترد کرنا ناممکن ہو۔

1.2 متواتر کی اقسام

متواتر کی دو قسمیں ہیں

1 متواتر لفظی 2 متواتر معنوی

1 متواتر لفظی

ایسی حدیث ہے جس کو نقل کرنے والے ہر زمانہ کے راوی ایک ہی طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کریں۔
یعنی ان سب روایت کرنے والوں کے الفاظ ایک جیسے ہوں۔

جیسے حوض کوثر سے متعلق احادیث۔ جن کو پچاس سے زائد صحابہ روایت کیا ہے۔

من کذب علی متعمدا۔ اس کو ساٹھ سے زائد صحابہ کرام نے نقل کیا ہے۔

2 متواتر معنوی

ایسی حدیث ہے جس کو روایت کرنے والے راویوں کے الفاظ تو آپس میں نہ ملتے ہوں لیکن ان کی تمام روایات کا معنی مفہوم ملتا جلتا ہو۔

1.3 متواتر معنوی کی مثال

دعا میں ہاتھ اٹھانے کی احادیث۔ ان احادیث کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن ان کا معنیٰ و مفہوم دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے۔

1.4 خبر متواتر کی حیثیت

خبر متواتر کو نقل کرنے والے راویوں کی تعداد کثیر ہوتی ہے جس کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہوتا ہے۔

1.5 متواتر کے راویوں کی تعداد

متواتر کے راویوں کی تعداد کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کم از کم دس بعض نے ستر بھی بتلائی ہے۔

1.6 متعلقہ کتب

1. "الأزهار المتناثرة في الأحاديث المتواترة"-اس کے مصنف عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین السیوطي (المتوفی:911ھ-)ہیں۔
2. قَطْفُ الأزْهارِ -اس کے مصنف عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین السیوطي (المتوفی:911ھ-)ہیں۔
3. اللّآلی الْمُتَنَاثِرَة فِی الاَحادیثِ المتَواتِرَة- یہ محمد بن طولون دمشقی (م:۹۵۳ھ) کی کتاب ہے۔
4. نَظْمُ المتَنَاثِرِ مِنَ الحدیثِ المتَوَاتِرِ- یہ محمد بن جعفر الکتانی کی کتاب ہے جس میں تین سو دس احادیث ہیں۔

2- خبر واحد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں خبر واحد وہ ہے جسے ایک شخص نے روایت کیا ہو۔

اصطلاحی معنی میں خبر واحد سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔ اسی طرح یہ تعریف بھی کی گئی ہے کہ وہ خبر جس میں تواتر کی شرائط نہ پائی جائیں۔

2.1 خبر واحد کی اقسام

راویوں کی تعداد کے اعتبار سے خبرِ واحد کی چار قسمیں ہیں

1. خبر مشہور
2. خبر مستفیض
3. خبر عزیز
4. خبر غریب

خبر مشہور

مشہور کا معنیٰ ظاہر کے ہیں

اصطلاح میں مشہور سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانے میں تین یا اس سے زیادہ ہوں لیکن راویوں کی یہ تعداد متواتر حدیث کے راویوں کی تعداد سے کم ہو۔

مشہور کی مثال درج ذیل ہے۔

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح(20 /1)

– 98حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنْ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا

اسماعیل بن ابی اویس، مالک، ہشام بن عروۃ، عروہ، عبد اللہ بن عمرو بن عاص ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے سینوں سے) نکال لے بلکہ علماء کو

موت دے کر علم کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرں کو بھی گمراہ کریں گے۔

حدیث مشہور پر مشتمل چند کتب درج ذیل ہیں

1. اللآلئ المنثورة في الأحاديث المشهورة

اس کتاب کے مصنف بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي الشافعي (المتوفى:794ھ-) ہیں۔

2. الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة -

اس کے مصنف عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911ھ-) ہیں۔

خبر مستفیض

مستفیض کا لغوی معنی ہے بہنے والا

مستفیض کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ ایسی حدیث جس کے راویوں کی تعداد ہر دور میں کم از کم تین ہو۔

مثال:

ایک قول کے مطابق یہ مشہور کا مترادف ہے تو اس قول پر اس کی مثال وہی ہو گی جو مشہور ہوئی ہے۔

خبر عزیز

عزیز کا لغوی معنی نادر ہونا کے ہیں

محدثین کی اصطلاح میں عزیز ایسی حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو ہوں۔ کسی طبقہ میں راوی دو سے زیادہ تو ہو جائیں لیکن دو سے کم نہ ہوں۔

اس کی مثال بخاری و مسلم میں موجود درج ذیل روایت ہے۔

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (1/ 7)

14 - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح و حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

یعقوب بن ابراہیم، ابن علیہ، عبدالعزیز بن صہیب، انس، آدم بن ابی ایاس، شعبہ، قتادہ، انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

خبر غریب

غریب کا لغوی معنیٰ ہے تنہا ہونا، اقارب سے دور ہونا۔

محدثین کی اصطلاح میں غریب وہ حدیث ہے جس کی صرف ایک سند ہو یعنی اور اس کا راوی صرف ایک ہو۔ ہر طبقہ میں ایک راوی ہو یا کسی طبقہ میں ایک سے زائد بھی ہو گئے ہوں۔

اس کی مثال درج ذیل ہے

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (1/ 2)

1 - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يقول سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ

حمیدی، سفیان، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن ابراہیم تیمی، علقمہ بن وقاص لیثی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی چنانچہ جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ وہ اسے پائے گا، یا کسی عورت کے لئے ہو، کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار ہو گی جس کے لئے ہجرت کی ہو۔

2.2 خبر واحد کی حیثیت

محدثین کے ہاں خبر واحد حجت ہے۔ اس پر عمل ضروری ہوتا ہے اور اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔

2.3 خبر واحد کی حجیت کے قرآنی دلائل

{وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ} [هود: 25]

{وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ} [هود: 96]

{وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحً} [النمل: 45]

2.4 خبر واحد کی حجیت کے دور رسالت سے دلائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں بہت سارے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے خبر واحد کی حجیت ثابت ہوتی ہے ان میں سے چند کچھ کو ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے۔

تحویل قبلہ

مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس تھا۔ مسلمان اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک قاصد تحویل قبلہ کی خبر لے کر آیا توسب نے نماز میں ہی اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیا۔

اس واقعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کی خبر حجت ہے۔ اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو مسلمان نماز جیسے اہم فریضے میں اپنا قبلہ تبدیل نہ کرتے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک آدمی کو قاصد بنا کر بھیجنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ خبر واحد حجت ہے۔

حرمت شراب

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (2/ 1077)

6712 - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ وَأَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيخٍ وَهُوَ تَمْرٌ فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أَنَسُ قُمْ إِلَى هَذِهِ الْجِرَارِ فَاكْسِرْهَا قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى انْكَسَرَتْ

یحیی بن قزعہ، مالک، اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں ابو طلحہ ؓ انصاری، ابو عبیدہ بن جراح اور ابی بن کعب کو فضیح یعنی کھجور کی شراب پلا رہا تھا، ان کے پاس آنے والے نے کہا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اس پر ابو طلحہ نے کہا کہ اے انس اٹھ کر ان مٹکوں کے پاس جا اور

انہیں توڑ دے، حضرت انس کا بیان ہے کہ میں کھڑا ہوا اور ایک مہراس (مٹکا) جو ہمارے ہاں تھا اسے میں نے نیچے سے ضرب لگائی یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک آدمی کو قاصد بنا کر بھیجنا اور صحابہ کرام کا ایک آدمی سے بات کو قبول کر لینا خبر واحد کی حجیت کے دلیل ہے

ایام تشریق سے متعلق ایک صحابی کی خبر

نسائي، احمد بن شعيب، السنن (2/ 230)

490 - أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ بِشْرِ بْنِ سُحَيْمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ

قتیبہ، حماد، عمرو، نافع بن جبیر بن مطعم، بشیر بن سحیم سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا ایام تشریق میں پکارنے کا کہ جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے مومن کے، اور یہ دن یعنی ایام تشریق کھانے پینے کے ہیں۔

اس روایت سے بھی خبر واحد کی حجیت معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرد واحد کو منادی بنا کر بھیجا

حدیث کو آگے پہنچانے والے فرد کے لیے خوشخبری

ابن ماجه، محمد بن يزيد، السنن (ص: 21)

232 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَعِيلَ الْحَلَبِيُّ عَنْ مُعَانِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ بُخْتٍ الْمَكِّيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّي فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ

محمد بن ابراہیم دمشقی، مبشر بن اسماعیل حلبی، معان بن رفاعہ، عبدالوہاب بخت مکی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم رکھیں جس نے میری بات سن کر یاد رکھی پھر میری طرف سے آگے پہنچا دی کیونکہ بہت سے فقہ کی بات یاد رکھنے والے خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ والے ایسے شخص تک پہنچاتے ہیں جو اس پہنچانے والے کی بہ نسبت زیادہ فقیہ ہوں۔

اس روایت میں حدیث محفوظ کرنے اور اسے آگے پہنچانے والے کے بارے میں تروتازگی کی خوشخبری ہے۔ اس حدیث میں عبدا کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے جو خبر واحد کی حجیت پر دلالت کرتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں اسلام کی تبلیغ کا حکم

بخاری کی روایت میں ہے۔

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (2/ 1048)

6551 - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ أَفْضَلُ فِي نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا تَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلِّغٍ يُبَلِّغُهُ لِمَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ فَكَانَ كَذَلِكَ قَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ حُرِّقَ ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ حِينَ حَرَّقَهُ جَارِيَةُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ أَشْرِفُوا عَلَى أَبِي بَكْرَةَ فَقَالُوا هَذَا أَبُو بَكْرَةَ يَرَاكَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَحَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ قَالَ لَوْ دَخَلُوا عَلَيَّ مَا بَهَشْتُ بِقَصَبَةٍ

مسدد، یحیی، قرہ بن خالد، ابن سیرین، عبد الرحمن بن ابی بکرہ، ابو بکرہ اور ایک دوسرے شخص سے جو میرے خیال میں عبد الرحمن بن ابی بکرہ سے افضل تھے، ابو بکرہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ ہم نے گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی دوسرا نام بیان فرمائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ کیا یہ بلدہ حرام نہیں ہے؟ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری جانیں، تمہارا مال اور تمہاری عزت اور تمہاری کھال ایک دوسرے پر حرام ہیں، جس طرح اس مہینہ میں اس شہر میں آج کے دن کی حرمت ہے، سن لو، کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ گواہ رہنا، جو لوگ موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں، جو موجود نہیں ہیں اس لئے کہ اکثر پہنچانے والے اس کو پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو، (چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، جب وہ دن تھا جس دن ابن حضرمی کو جلایا گیا، جبکہ ان کو جاریہ بن قدامہ نے جلایا تو کہا کہ ابو بکرہ کو دیکھو (وہ مطیع ہے یا نہیں) لوگوں نے کہا وہ ابو بکرہ ہیں، تم بھی دیکھ رہے ہو، عبد الرحمن کا بیان ہے کہ مجھ سے میری ماں نے ابو بکرہ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے کہا وہ لوگ میرے پاس آجاتے تو میں انہیں ایک تنکا بھی نہ مارتا۔

اس روایت میں ہے کہ موجود آدمی اس پیغام کو عقائد تک پہنچا دے۔ اس روایت میں شاہد کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے۔ اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو یہاں مفرد لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کسی صحابی کو معلم بنا کر بھیجنا

مسلم، مسلم بن حجاج، الجامع الصحيح (1/ 36)

27 - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ قَالَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَقَ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رُبَّمَا قَالَ وَكِيعٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مُعَاذًا قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ

ابو بکر بن ابی شیبہ، ابو کریب، اسحاق بن ابراہیم، وکیع، ابو بکر، وکیع، زکریا، ابن اسحاق، یحیی بن عبد اللہ بن صیفی، ابی معبد، ابن عباس، معاذ بن جبل، ابو بکر، وکیع، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور فرمایا تم اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے پاس جا رہے ہو پہلے تم انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں ان پر فرض فرمائی ہیں اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لے کر انہی کے مفلس طبقہ میں تقسیم کی جائے گی اب اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو تم ان کا بہترین مال ہرگز نہ لینا اور مظلوم کی بد دعا سے ڈرنا کیونکہ مظلوموں کی بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (براہ راست اللہ تک پہنچتی ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو اسلام کی دعوت اور اس کے احکام سکھانے کے لیے بھیجا۔ تعلم کے لیے فرد واحد کو بھیجنا بھی خبر واحد کی حجیت کی دلیل ہے۔

3 مرفوع حدیث

ایسی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

3.1 مرفوع حدیث کی اقسام

مرفوع حدیث کی تین اقسام ہیں

مرفوع قولی　　　مرفوع فعلی　　　مرفوع تقریری

1- مرفوع قولی

ایسی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ارشاد منقول ہو

جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

2- مرفوع فعلی

ایسی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل کا ذکر ہو جیسے

نسائي، احمد بن شعيب، السنن (1/ 140)

1241 - أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ عَلْقَمَةَ صَلَّى خَمْسًا فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سُوَيْدٍ يَا أَبَا شِبْلٍ صَلَّيْتَ خَمْسًا فَقَالَ أَكَذَلِكَ يَا أَعْوَرُ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْ السَّهْوِ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سوید بن نصر، عبد اللہ، سفیان، حسن بن عبید اللہ، ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت علقمہ نے ایک روز نماز کی پانچ رکعات پڑھ لیں تو حضرت ابراہیم بن سوید نے فرمایا کہ اے ابو شبل! تم نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں انہوں نے کہا کہ ایک آنکھ والے صاحب! کیا یہ بات درست ہے۔ پھر دو سجدے کئے سہو کے بعد۔ پھر کہا کہ رسول کریم ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

3 مرفوع تقریری

ایسی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی کام کے لیے جانے کا تذکرہ ہو اور آپ کا انکار مذکور نہ ہو۔ جیسے

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (1/ 142)

987 - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا كَسَفَتْ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُودِيَ إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ

اسحاق، یحیی بن صالح، معاویہ بن سلام بن ابی سلام حبشی دمشقی، یحیی بن ابی کثیر، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف ابن زہری، عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں آفتاب گہن میں گیاتو پکارا گیا کہ نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔

4- موقوف حدیث

ایسی حدیث جس میں صحابی کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر ہو

4.1 موقوف حدیث کی اقسام

موقوف قولی　　　　موقوف فعلی　　　　موقوف تقریری

1 موقوف قولی

ایسی حدیث جس میں کسی صاحب کا قول مذکور ہو۔ جیسے

مصنف ابن أبي شيبة (4/ 549)

23038 - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النَّجُودِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ رَبِيعَةَ، قَالَ: قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: «عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ بِالشِّرْكِ بِاللَّهِ» ثُمَّ قَرَأَ: {فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ} [الحج: 30]

فرمایا لوگو! جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کے برابر ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی کہ بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچو۔

2 موقوف فعلی

ایسی حدیث جس میں کسی صحابی کا کوئی فعل مذکور ہو۔

3 موقوف تقریری

ایسی حدیث جس میں تابعی یہ کہے کہ میں نے فلاں صحابی کے سامنے یہ کام کیا اور انہوں نے اس پر انکار نہیں کیا۔

5- مقطوع حدیث

ایسے حدیث ہے جس میں تابعی کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر ہوز

5.1 مقطوع حدیث کی اقسام

مقطوع قولی مقطوع فعلی

1 **مقطوع قولی**

ایسی حدیث جس میں کسی تابعی کا قول مذکور ہو

2 **مقطوع فعلی**

ایسی حدیث جس میں کسی تابعی کا فعل مذکور ہو۔

1- تقسیم حدیث باعتبار صحت وضعف

حدیث صحیح کی دو اقسام ہیں

صحیح لذاتہ　　　　　　　　صحیح لغیرہ

1.1 صحیح لذاتہ

"ایسی حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل اور کامل الضبط ہوں۔ اس کی سند متصل ہو۔ وہ حدیث معلل اور شاذ نہ ہو"۔

مذکورہ پانچوں شرائط جس حدیث میں پائی جائیں وہ حدیث صحیح ہو گی اور جس حدیث میں ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ حدیث ضعیف ہو گی۔

عادل

عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ راوی کبیرہ گناہوں مثلاً شرک، بدعات اور فسق کے کاموں سے بچنے والا ہو۔

کامل الضبط

کامل الضبط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث کی مکمل طور پر حفاظت کرتا ہو۔ یہ حفاظت حدیث کو یاد کرنے کے ساتھ ہو یا حدیث کو لکھ کے کی جائے۔

متصل

متصل کا مطلب یہ ہے کے سند کے شروع، درمیان یا آخر سے کوئی راوی چھوٹا ہوا نہ ہو۔ اگر سند سے کوئی راوی گرا ہوا ہے تو یہ حدیث متصل نہیں رہے گی۔

شاذ نہ ہو

شاذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔ اگر کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہے تو یہ حدیث صحیح نہیں ہو گی بلکہ یہ شاذ ہو گی۔

معلل نہ ہو

معلول ایسی پوشیدہ خرابی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے حدیث کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ خرابی واضح نہیں ہوتی۔ فن حدیث میں مہارت رکھنے والا آدمی ہی اس خرابی پر مطلع ہو سکتا ہے۔

صحیح لذاتہ کی مثال

بخاري، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح (2/ 883)

5514 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ

قتیبہ بن سعید جریر، عمارہ بن قعقاع بن شبرمہ، ابوزرعہ، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں، پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ۔ اور ابن شبرمہ اور یحیی بن ایوب نے بیان کیا کہ ابوزرعہ نے ہم سے اسی طرح روایت کی۔

1.2 صحیح لغیرہ

ایسی حدیث جو حسن لذاتہ ہو اور اس میں راوی کے ضبط کی کمزوری کسی دوسری حدیث سے دور ہو جائے۔

اس کا درجہ صحیح لذاتہ سے کم اور حسن لذاتہ سے اوپر ہے۔

صحیح لغیرہ کی مثال

ترمذي، محمد بن عيسي، السنن (1/ 12)

22 - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ

ابوکریب، عبدہ بن سلیمان، محمد بن عمرو، ابوسلمہ، ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ضرور انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

حسن لذاتہ

"ایسی حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل ہوں لیکن کسی راوی میں ضبط ناقص ہو۔ اس کی سند متصل ہو۔ وہ حدیث معلل اور شاذ نہ ہو۔

صحیح لذاتہ اور حسنِ لذاتہ میں فرق یہ ہے کہ صحیح لذاتہ کے تمام راویوں میں ضبط کامل ہوتا ہے جبکہ حسن لذاتہ میں کسی راوی میں ضبط کمزور ہوتا ہے۔ اگر ضبط کی شرط بالکل مفقود ہے تو حدیث ضعیف ہو جائے گی۔

حسن لذاتہ کی مثال

ترمذي، محمد بن عيسي، السنن (1/ 12)

22 - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ

ابو کریب، عبدہ بن سلیمان، محمد بن عمرو، ابو سلمہ، ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہو تا تو میں ضرور انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

حسن لغیرہ

ایسی ضعیف حدیث جس کا ضعف کسی دوسری حدیث سے دور ہو جائے تو اس پہلی حدیث کو حسن لغیرہ کہیں گے۔

حسن لغیرہ کی مثال

ابو داود، سليمان بن اشعث، السنن (1/ 187)

1132 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي خَالِدٍ الْوَالِبِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا

محمد بن بکار بن ریان، عبد اللہ بن مبارک، عمران بن زئداہ، ابو خالد، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے اور کبھی پست آواز سے۔

ترمذي، محمد بن عيسي، السنن (1/ 100)

411 - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ فَقَالَتْ كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا أَسَرَّ بِالْقِرَاءَةِ وَرُبَّمَا جَهَرَ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً

قتیبہ، لیث بن معاویہ بن صالح، عبد اللہ بن ابو قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ پوچھا کہ نبی ﷺ کی رات کو قرأت کیسی تھی انہوں نے فرمایا آپ ہر طرح قرأت کرتے کبھی دھیمی اور کبھی بلند آواز سے حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دین کے کام میں وسعت رکھی۔

ضعیف

ایسی حدیث جس میں صحیح یا حسن والی شرائط موجود نہ ہوں وہ ضعیف حدیث کہلاتی ہے۔

2- حدیث ضعیف کی اقسام

ضعف عام طور پر سند میں سے کسی راوی کے کم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے. یا راوی میں پائی جانے والی کسی ایسی خامی کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔

☆ اگر ضعف کسی راوی کے کم ہونے کی وجہ سے ہو تو اس اعتبار سے ضعیف حدیث کی پانچ قسمیں ہیں

1. معلق

ایسی حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک سے زیادہ راوی گرے ہوئے ہیں۔

اس کی مثال درج ذیل ہے

صحيح البخاري (1/ 83)

قَالَ أَبُو مُوسَى: «غَطَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ حِينَ دَخَلَ عُثْمَانُ»

مذکورہ حدیث **معلق** ہے۔ صحابی کے علاوہ اس کی سند امام بخاری نے حذف کر دی ہے۔ اس قسم کی روایت میں اتصال سند مفقود ہوتا ہے۔ ایسی روایت ضعیف شمار ہوتی ہے البتہ اگر کسی اور ذریعے سے یہ ضعف دور ہو جائے تب یہ روایت ضعیف نہیں رہتی۔

2. مرسل

ایسی حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو۔ اس میں صحابی کا واسطہ مفقود ہوتا ہے اور تابعی کہتا ہے " قال رسول اللہ ﷺ "۔

مرسل کی مثال

موطأ مالك ت عبد الباقي (2/ 625)

25 - وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ»

کہ رسول اللہ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا۔ اب اس حدیث میں تابعی بیان کر رہے ہیں اور صحابی کا واسطہ نہیں ہے

قبولیت وعدم قبولیت مرسل میں تین اقوال ہیں۔

مطلقاً قبولیت

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مرسل روایت مطلقاً قابل قبول ہے۔

مطلقاً مردود

امام مسلم، ابو حاتم رازی، ابوزرعہ، امام ابن خزیمہ وغیرہ کے نزدیک مطلقاً نا قابل قبول ہے۔

مرسل روایت کو کچھ شرائط کے ساتھ قبول کیا جائے گا

یہ امام شافعی اور بعض دیگر اہل علم کا نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے مرسل روایت کو قبول کرنے کے لئے کچھ شرائط ذکر کی ہیں:

- مرسل حدیث بیان کرنے والا راوی بڑی عمر کے ایسے تابعین میں سے ہو جنہوں نے بڑی عمر میں صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ کیونکہ کم عمر تابعین براہ راست صحابہ سے روایت نہیں کرتے بلکہ کسی اور تابعی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
- وہ راوی جب کبھی اس شخص کا نام بیان کرے جس سے اس نے احادیث روایت کی ہیں تو وہ شخص ثقہ و قابل اعتماد ہو۔
- حفاظ حدیث اس حدیث کے خلاف کوئی حدیث بیان نہ کریں۔
- حدیث کو کسی اور سند سے بھی روایت کیا گیا ہو۔ اگر دوسری سند بھی مرسل ہو تو اس صورت میں اسے بیان کرنے والا راوی پہلے راوی کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔
- مرسل حدیث کسی صحابی کے قول کے مطابق ہو۔
- اکثر اہل علم اس مرسل حدیث کے مطابق احکام اخذ کرتے ہوں۔

3. **معضل**

ایسی حدیث جس کی سند کے درمیان سے کوئی راوی گرا ہوا ہو یا اس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی اکٹھے گرے ہوئے ہوں۔

معضل کی مثال

توجيه النظر إلى أصول الأثر (1/ 405)

مِثَال هَذَا النَّوْع من الحَدِيث مَا حدّثنَاهُ أَبُو الْعَبَّاس مُحَمَّد بن يَعْقُوب أنبأَنَا مُحَمَّد بن عبد الله بن عبد الحكم حَدثنَا ابْن وهب أَخْبرنِي مخرمَة بن بكير عَن أَبِيه عَن عَمْرو بن شُعَيْب قَالَ قَاتل عبد مَعَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَوْم أحد فَقَالَ لَهُ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أذن لَك سيدك قَالَ لَا فَقَالَ لَو قتلت لدخلت النَّار قَالَ سَيّده فَهُوَ حر يَا رَسُول الله فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْآن فقاتل

اس روایت کو عمرو بن شعیب نے معضل بنا دیا ہے کہ انہوں نے درمیان کے دو واسطوں کو چھوڑ کر رسول اللہ سے روایت بیان کی ہے۔

معضل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ اس پر محدثین کا اتفاق ہے۔

4. منقطع

ایسی حدیث جس کی سند کے درمیان سے ایک راوی گرا ہوا ہو یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں لیکن مسلسل نہ ہوں بلکہ الگ الگ مقامات سے ساقط ہوں تو ایسی روایت کو منقطع کہتے ہیں۔

منقطع کی مثال:

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص: 57)

مِثَالُ الْأَوَّلِ: مَا رُوِّينَاهُ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ يُثَيْعٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنْ وَلَّيْتُمُوهَا أَبَا بَكْرٍ فَقَوِيٌّ أَمِينٌ. . " الْحَدِيثَ.

فَهَذَا إِسْنَادٌ إِذَا تَأَمَّلَهُ الْحَدِيثِيُّ وَجَدَ صُورَتَهُ صُورَةَ الْمُتَّصِلِ، وَهُوَ مُنْقَطِعٌ فِي مَوْضِعَيْنِ، لِأَنَّ عَبْدَ الرَّزَّاقِ لَمْ يَسْمَعْهُ مِنَ الثَّوْرِيِّ، وَإِنَّمَا سَمِعَهُ مِنَ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ الْجَنَدِيِّ عَنِ الثَّوْرِيِّ، وَلَمْ يَسْمَعْهُ الثَّوْرِيُّ أَيْضًا مِنْ أَبِي إِسْحَاقَ، إِنَّمَا سَمِعَهُ مِنْ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

اس روایت میں دو مقامات پر انقطاع ہے۔ عبد الرزاق نے اس روایت کو ثوری سے براہ راست نہیں سنا بلکہ نعمان کے واسطے سے سنا ہے نیز ثوری نے اسے ابو اسحاق سے براہ راست نہیں سنا بلکہ شریک کے واسطے سے سنا ہے۔

5. مدلس

جس حدیث کا راوی اپنے ایسے شیخ جس سے حدیث سنی ہے کو حذف کر کے شیخ کے شیخ سے اس طرح روایت کرے کہ شیخ کا محذوف ہونا معلوم نہ ہو بلکہ بظاہر یہ محسوس ہو کہ اس نے شیخ کے شیخ سے ہی روایت کو سنا ہے۔

تدلیس بعض اوقات اس وجہ سے کی جاتی ہے محدث کا شیخ معمولی درجہ کا ہوتا ہے اور شیخ کا شیخ عالی مرتبہ کا ہوتا ہے محدث معمولی استاد سے روایت کرنے میں اپنی شان میں کمی محسوس کرتا ہے اس لیے وہ شیخ کو حذف کر کے شیخ کے شیخ سے روایت کرتا ہے۔

مدلس کی مثال

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص: 74)

مِثَالُ ذَلِكَ: " مَا رُوِّينَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ خَشْرَمٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عُيَيْنَةَ، فَقَالَ: " الزُّهْرِيُّ "، فَقِيلَ لَهُ: " حَدَّثَكُمُ الزُّهْرِيُّ؟ " فَسَكَتَ، ثُمَّ قَالَ: " الزُّهْرِيُّ "، فَقِيلَ لَهُ: " سَمِعْتَهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ؟ " فَقَالَ: " لَا، لَمْ أَسْمَعْهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، وَلَا مِمَّنْ سَمِعَهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ ".

ابن عینیہ نے زہری سے حدیث روایت کی۔ ان سے پوچھا گیا، "کیا آپ نے یہ حدیث خود زہری سے سنی ہے؟" وہ کہنے لگے، "نہیں، میں نے نہ تو یہ زہری سے سنی ہے اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے جس نے زہری سے یہ حدیث سنی ہو۔ یہ حدیث عبدالرزاق نے معمر سے اور انہوں نے زہری سے سنی ہے۔" اس مثال میں ابن عینیہ نے اپنے اور زہری کے درمیان دو واسطے حذف کر دیے ہیں۔

☆ راوی کے اندر پائے جانے والی کسی خامی کی وجہ سے ضعف ہو تو ضعیف حدیث کی اقسام درج ذیل ہیں

1. متروک

ایسی حدیث جس کے راوی پر جھوٹ بولنے کی تہمت موجود ہو یا وہ حدیث دین کے اصولوں کے خلاف ہو۔

متروک کی مثال:

سنن الدارقطني (2/ 390)

1735 - ثنا أَبُو بَكْرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَحْيَى الْبَلْخِيُّ الطَّلْحِيُّ بِالْكُوفَةِ , ثنا عُبَيْدُ بْنُ كَثِيرٍ , نا مُحَمَّدُ بْنُ جُنَيْدٍ , ثنا مُصْعَبُ بْنُ سَلَّامٍ , عَنْ عَمْرٍو , عَنْ جَابِرٍ , عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ , عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ , عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ , قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يُكَبِّرُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ حِينَ يُسَلِّمُ مِنَ الْمَكْتُوبَاتِ»

اس روایت میں عمرو بن شمر کو امام نسائی اور دار قطنی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

2. شاذ

ایسی حدیث جس کا راوی خود تو ثقہ ہو اگر ایسی بڑی جماعت کی مخالفت کر تا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہیں۔

شاذ کی مثال

اللطائف من دقائق المعارف لأبي موسى المديني (ص: 93)

عن يزيد بن أبي حبيب، عن أبي الطفيل، عن معاذ رضي الله عنهما قال: ((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك إذا ارتحل قبل زيغ الشمس أخر الظهر إلى العصر ويصليهما جميعاً، وإذا ارتحل بعد زيغ الشمس صلى الظهر والعصر جميعاً ثم سار، وكان إذا ارتحل قبل المغرب أخر المغرب وصلاها مع العشاء، وإذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب)

اس روایت میں یزید بن ابی حبیب کے ابو الطفیل سے جو الفاظ ہیں وہ ابو الطفیل سے ان کا کوئی اور شاگرد نقل نہیں کر تا۔ اس لیے یہ روایت شاذ ہے۔

3. منکر

ایسی حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہونے کے باوجو د راویوں کی ایک جماعت کی مخالفت کر تا ہو۔

منکر کی مثال

تيسير مصطلح الحديث (ص: 120)

رواه ابن أبي حاتم من طريق حُبيب بن حَبيب الزيات، عن أبي إسحاق، عن العيزار بن حريث، عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أقام الصلاة، وآتى الزكاة، وحج البيت، وصام، وقرى الضعيف دخل الجنة". قال أبو حاتم: "هو منكر؛ لأن غيره من الثقات رواه عن أبي إسحاق موقوفا، وهو المعروف"

یہ روایت حبیب بن حبیب حضرت عبد اللہ بن عباس سے مر فوعا نقل کر تا ہے جبکہ دیگر ثقات اس روایت کو موقوفا نقل کرتے ہیں۔ حبیب بن حبیب کی یہ روایت منکر کہلائے گی۔

4. معلل

ایسی حدیث جس میں کوئی ایسی پوشیدہ علت ہو جو صحت حدیث کے لیے نقصان دہ ہو۔

معلل روایت کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام اسناد کو جمع کیا جائے اور راویوں کے اختلاف اور ان کے ضبط و اتقان کی جانچ پرکھ کی جائے۔

علت کی پہچان ایک مشکل کام ہے جس کی پہچان صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مہارت تامہ، دماغی قوت اور حافظہ سے نوازا ہو۔

معلل کی مثال

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص: 91)

يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ . . " الْحَدِيثَ.

وَالْعِلَّةُ فِي قَوْلِهِ: " عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ "، إِنَّمَا هُوَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، هَكَذَا رَوَاهُ الْأَئِمَّةُ مِنْ أَصْحَابِ سُفْيَانَ عَنْهُ. فَوَهِمَ يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، وَعَدَلَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ إِلَى عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، وَكِلَاهُمَا ثِقَةٌ.

اس سند میں عبد اللہ بن دینار کو عمرو بن دینار سے وہم کی بناء پر بدل دیا گیا ہے۔

5. مضطرب

ایسی حدیث جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو جس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔ بعض راوی ایک طریقے سے روایت کریں جبکہ بعض دوسرے راوی دوسرے طریقے سے روایت کریں۔ یہ دونوں برابر ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دی جا سکتی ہو۔

مضطرب کی مثال

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص:94)

عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِي عَمْرِو بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ جَدِّهِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُصَلِّي: " إِذَا لَمْ يَجِدْ عَصًا يَنْصِبُهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَخُطَّ خَطًّا ".

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص:95)

- وَرَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْهُ عَنْ أَبِي عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.
- وَرَوَاهُ حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي عَمْرِو بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حُرَيْثِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

- وَرَوَاهُ وُهَيْبٌ، وَعَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ جَدِّهِ حُرَيْثٍ.
- وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ سَمِعَ إِسْمَاعِيلُ عَنْ حُرَيْثِ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَفِيهِ مِنَ الِاضْطِرَابِ أَكْثَرُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

مذکورہ چاروں سندوں میں اسماعیل نے جس سے روایت کیا ہے اس میں اضطراب ہے ایک جگہ أَبِي عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِيهِ، دوسری جگہ أَبِي عَمْرِو بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حُرَيْثِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ، تیسری جگہ أَبِي عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ جَدِّهِ حُرَيْثٍ، چوتھی جگہ حُرَيْثِ بْنِ عَمَّارٍ کا ذکر ہے یہ ایسا اضطراب ہے جس کی تطبیق یا ترجیح ممکن نہیں ہے۔

6. مقلوب

ایسی حدیث جس میں بھول کی وجہ سے متن یا سند کے اندر تقدیم و تاخیر ہو گئی ہو یا بھول کی وجہ سے ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا ذکر کر دیا گیا ہو۔

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص: 102)

رُوِّينَاهُ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عِيسَى الطَّبَّاعِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي "،

قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ عِيسَى فَأَتَيْتُ حَمَّادَ بْنَ زَيْدٍ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْحَدِيثِ، فَقَالَ: وَهِمَ أَبُو النَّضْرِ إِنَّمَا كُنَّا جَمِيعًا فِي مَجْلِسِ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، وَحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ مَعَنَا، فَحَدَّثَنَا حَجَّاجٌ الصَّوَّافُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي "، فَظَنَّ أَبُو النَّضْرِ أَنَّهُ فِيمَا حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ. أَبُو النَّضْرِ هُوَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ

اس میں جریر بن حازم کو گمان ہو گیا اور انہوں نے فَحَدَّثَنَا حَجَّاجٌ الصَّوَّافُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ کی جگہ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ ذکر کر دیا۔

7. مصحف

ایسی حدیث جس میں نفس کی شکل تو باقی رہے لیکن نقطوں اور حرکات و سکون تبدیلی کی وجہ سے لفظ میں غلطی واقع ہو جائے۔

مصحف کی مثال

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص: 279)

شُعْبَةَ عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ مُرَاجِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: " لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا. . . " الْحَدِيثَ، صَحَّفَ فِيهِ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ فَقَالَ: " ابْنُ مُزَاحِمٍ " بِالزَّايِ وَالْحَاءِ، فَرُدَّ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا هُوَ " ابْنُ مُرَاجِمٍ " بِالرَّاءِ الْمُهْمَلَةِ وَالْجِيمِ.

اس روایت میں یحیٰ ابن معین سے تصحیف ہوئی ہے اور مزاحم کو مراجم سے بدل دیا گیا ہے۔

8. **مدرج**

ایسی حدیث جس میں راوی اپنا کلام درج کر دے۔

مدرج کی مثال

مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث - ت عتر (ص: 96)

مَا رُوِّينَاهُ فِي التَّشَهُّدِ عَنْ أَبِي خَيْثَمَةَ زُهَيْرِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحُرِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ: " قُلِ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ فَذَكَرَ التَّشَهُّدَ، وَفِي آخِرِهِ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَإِذَا قُلْتَ هَذَا فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَاتَكَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ "، هَكَذَا رَوَاهُ أَبُو خَيْثَمَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحُرِّ، فَأَدْرَجَ فِي الْحَدِيثِ قَوْلَهُ: فَإِذَا قُلْتَ هَذَا إِلَى آخِرِهِ، وَإِنَّمَا هَذَا مِنْ كَلَامِ ابْنِ مَسْعُودٍ، لَا مِنْ كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حدیث میں مذکور یہ الفاظ، فَإِذَا قُلْتَ هَذَا فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَاتَكَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے الفاظ ہیں یہ رسول اللہ کا کلام نہیں ہے۔

5۔

درایت حدیث

1۔ درایت حدیث کا مفہوم و معانی

2۔ درایت حدیث کے اصول

3۔ امثلۃ الحدیث

② درایۃ کا مفہوم

لغت میں درایۃ کے معنی ''معرفت'' کے ہیں۔حدیث کی صحیح معرفت اسی صورت میں ممکن ہے جب راوی اور مروی دونوں سے متعلق پوری معلومات حاصل ہوں۔یعنی راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کب اور کہاں پیدا ہوا، اس کا حافظہ قوی تھا یا کمزور، فقیہ تھا یا غیر فقیہ، عالم تھا یا غیر عالم، ذرائع معاش اور مشاغل کیا تھے۔روایت کرنے میں محتاط تھا یا غیر سنجیدہ؟۔اسی طرح مروی (متن) کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے الفاظ وکلمات میں کسی قسم کی خامی وکمزوری یا مقررہ قواعد کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی ہے۔معانی و مفہوم میں عقل، مشاہدہ، تجربہ، زمانہ کے طبعی تقاضے، تاریخی حقائق، کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو نہیں لازم آتی جن سے کسی طرح بھی شان نبوت پر حرف آئے۔ یا ارشادات نبویؐ میں سطحیت ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو۔

تعریف:۔

درایۃ کی اصطلاحی تعریف دو طرح منقول ہے: (i) عام (ii) خاص

''عام'' وہ ہے جس کا تعلق راوی اور مروی دونوں کی معرفت سے ہے۔

''خاص'' وہ ہے جس کا تعلق صرف ''متن'' کی معرفت سے ہے۔

درایۃ کی عام تعریف:

علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے علم درایۃ کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

(علم يعرف به انواع الرواية واحكامها و شروط الرواة وأصناف المرويات

واستخراج معانیها)

''وہ علم جس کے ذریعے رواۃ کی شروط، روایت کی اقسام اور احکام تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ نیز مرویات کے انواع واقسام اوران کے معانی ومفاہیم کی تعیین میں مدد ملتی ہے۔ یہ وہی تعریف ہے جو علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی میں علامہ ابن الآلفانی سے نقل کی ہے......اس ضمن میں زین الدین بن علی لکھتے ہیں:

(درایة الحدیث: علم یبحث فیه عن متن الحدیث وطرقه من صحیحها وسقیمها و علمها وما یحتاج الیه)

''درایۃ حدیث وہ علم ہے جس میں حدیث کے متن اوراس کی سند سے بحث ہوتی ہے اور حدیث کی صحت وسقم کا پتہ چلتا ہے نیز جن چیزوں کی معرفت ضروری ہے ان کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔

درایۃ کی خاص تعریف

طاش کبریٰ زادہ نے ''درایۃ الحدیث'' کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

(هو علم باحث عن المعنی المفهوم من الفاظ الحدیث، وعن المراد منها مبنیاً علی قواعد العربیة و ضوابط الشریعة و مطابقا لأحوال النبی ﷺ)

''درایۃ حدیث وہ علم ہے جس میں الفاظ حدیث سے سمجھے گئے مفہوم ومراد سے بحث ہوتی ہے۔ جبکہ وہ عربی قواعد وشرعی ضوابط پر مبنی اور رسول اللہ ﷺ کے احوال کے مطابق ہوں۔

حاجی خلیفہ اور نواب صدیق حسن خان سے بھی یہی تعریف منقول ہے......اس کی تائید درایۃ کے موضوع سے بھی ہوتی ہے۔

و موضوعها : احادیث الرسول ﷺ من حیث دلالتها علی المفهوم والمراد)

درایۃ الحدیث کا موضوع احادیث رسول کا وہ پہلو ہے جس کا تعلق مفہوم ومراد سے ہوتا ہے۔

اصول درایت کی بنیاد قرآن حکیم میں موجود ہے۔حضرت عائشہؓ پر بعض منافقوں نے تہمت لگائی اوراس کا چرچا اس حد تک ہوا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تو اللہ جل شانہ‘ نے فرمایا:

﴿لو لا إذ سمعتموه‘ قلتم مایکون لنا أن نتکلم بهذا سبحانک هذا بهتان عظیم﴾
جب تم نے اس خبر کو سنا تو کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے ایسی بات ہرگز مناسب نہیں۔ یہ تو بہت بڑے بہتان کی بات ہے۔ یہاں یہ اشارہ ہے کہ اس بے بنیاد خبر کو سننے کے بعد تمہیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ یہ انتہائی نامعقول بات ہونے کے باعث درایۃً بالکل ساقط الاعتبار خبر تھی۔

صحابہ کرامؓ اور اصول درایۃ

صحابہ کرام ﷺ کے دور میں درایت کی ابتداء ہو چکی تھی۔صحابہ کرامؓ کے اندر ایسا گروہ موجود تھا جو ہر قسم کی روایت کو قابل قبول نہیں سمجھتا تھا یہ حضرات روایت کو سننے کے بعد اسے درایت کے ترازو میں تولتے۔اگر روایت صحیح ہوتی تو اسے قبول کرتے ورنہ رد کر دیتے اس جماعت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد تھا:

((إذا سمعتم الحدیث تعرفه قلوبکم و تلین له‘ اشعارکم وابشارکم ، وترونه انه منکم قریب ، فانا أولاکم به، واذا سمعتم الحدیث عنی تنکره‘ قلوبکم و تنفر منه اشعارکم و ابشارکم و ترون أنه منکم بعید فأنا ابعد کم منه)) (مسند امام احمد . عن أبی اسید الساعدیؓ)

”جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جس سے تمہارے دل کو انسیت ہو اور تمہارے بال وکھال اس سے متاثر ہوں اور اپنے سے اس کو قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں۔اور جب تم کوئی ایسی روایت سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے جسم وجان اس سے متوحش ہوں اور اپنے سے اس کو دور سمجھو تو میں تمہارے مقابلہ میں اس سے زیادہ دور ہوں۔“

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((ماحدثتم عنی ماتنکرونه فلا تأخذوا به ، فانی لا أقول المنکر ولست من اهله))

''جب تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارا دل مطمئن نہ ہو تو اس کو قبول نہ کرو کیونکہ نامناسب بات کرنا میرے منصب کے خلاف ہے۔''

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور حافظ ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یہ قول نقل کیا ہے آپؓ فرماتے تھے:

(حدثوا الناس بما یعرفون، ودعوا ماینکرون ، أتحبون أن یُکذَّب الله و رسوله)

''لوگوں کے سامنے معروف اور معقول روایات بیان کرو۔ ایسی روایات ہرگز نہ بیان کرو جو غیر معقول ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیر معقول روایات سن کو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلائیں گے ...... شیخ طاہر بن صالح الجزائری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

(قال شراح هذا الأثر: إنما قال الإمام ذلک، لإن الإنسان إذا سمع مالا یفهمه أو ما لا یتصور امکانه اعتقد استحالته جهلا، فلا یُصَدِّق بوجوده فاذا أسند الی الله تعالیٰ أو رسوله لزم ذلک المحذور) (توجیه النظر: ج. ۱، ص ۶۲، ۶۳)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا: آپؓ فرماتے تھے۔

(ماانت بمحدث قوماً حدیثاً لا تبلغه عقولهم الا کان لبعضهم فتنة) (مقدمة الصحیح: النهی عن الحدیث بکل ماسمع)

''آپ جب بھی لوگوں کے سامنے ایسی بات کریں گے جو ان کے ذہنی سطح اور عقل کے مطابق نہیں ہوگی تو اس سے ان کے اندر انتشار ہی پیدا ہوگا...... امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے آپؓ نے فرمایا:

حفظتُ عن رسول اللہ ﷺ وعاء ین، فاما احدھما فبثثتہ، واما الآخر فلو بثتتہ، قطع ہذا البلعوم (الصحیح للامام البخاری : کتاب العلم: باب حفظ العلم)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو گٹھڑیوں کے برابر روایات حاصل کیں سو ایک گٹھڑی کو تو میں نے کھول دیا لیکن دوسری کا منہ بند رکھا۔ اگر میں دوسری گٹھڑی کی روایات بھی بیان کرتا تو لوگ میرا ناطقہ بند کر لیتے...... مقصد یہ ہے کہ جو روایات لوگوں کے لئے قابل فہم اور معروف و معقول تھیں وہ میں روایت کرتا رہا اور جن کے بارے میں مجھے خدشہ تھا کہ لوگ ان کے معنی و مفہوم کے سمجھنے میں دقت محسوس کریں گے تو ان کو بیان کرنے سے میں نے اجتناب برتا۔

جب تک رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے درمیان موجود رہے تب تک انہیں روایات خود جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اشکال کی صورت میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت ہوسکتی تھی لیکن جب آپ ﷺ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو اب ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی طرف منسوب روایات کو آنکھیں بند کر کے نہ لیا جائے بلکہ راوی اور روایت کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے...... ایک حدیث میں ہے کہ میت کو اس کے پسماندگان کے نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ **(ان المیت لیعذب ببکاء أھلہ)**

حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث سنی تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

(غفر اللہ لأبی عبدالرحمن أنہ وھل ، ان اللہ تعالیٰ یقول: لا تزر وازرۃ وزر اخری، انما قال رسول اللہ ﷺ ، ان ہذا لیعذب الآن و أھلہ یبکون علیہ)

"اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر) کے حال پر رحم فرمائے آپؓ بات سمجھے نہیں...... یہ تو اللہ جلّ شانہٗ کے ارشاد ﴿لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرىٰ﴾ کے خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک قبر کے قریب سے گذرے تو فرمایا: یہ قبر والا تکلیف میں مبتلا ہے اور اس کے گھر والے اب تک اس کے لئے رو رہے ہیں"

ایک موقع پر عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث بیان کی۔

(الشهر تسع وعشرون) یعنی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث سنی تو فرمایا:

(غفر الله لأبی عبدالرحمن أنه وهل ، انما هجر رسول الله ﷺ نسائه شهرا فنزل لتسع و عشرين ، فقالوا : يارسول الله! انک نزلت لتسع وعشرين . فقال: اِن الشهر يكون تسعاوعشرين)

''اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر) کے حال پر رحم فرمائے وہ سمجھے نہیں بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مہینہ کے لئے ازواج مطہرات سے الگ رہے۔جب انتیس دن پورے ہوئے تو آپ ﷺ بالا خانہ سے نیچے تشریف لائے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے تو ازواج مطہرات سے ایک مہینہ تک الگ رہنے کا فرمایا تھا اور مہینہ تو ابھی پورا نہیں ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے''...... ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی۔(الوضوء مما مستّ النارولو من ثور أقط) ''جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے''اگرچہ پنیر کا ایک ٹکڑا ہی ہو......تو ابن عباسؓ نے فرمایا:(انتوضأ من الدهن، انتوضأ من الحميم)''کیا ہم چکناہٹ اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضوکریں گے''

محمود بن الربیعؓ نے روایت بیان کی:

(انّ الله قد حرّم على النار من قال لا اله الا الله يبتغى بذلک وجه الله)

''جس شخص نے اللہ جل شانہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لا الہ الا اللہ کہا اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کردی''۔تو ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا۔(والله ما أظن رسول الله ﷺ قال ماقلت) ''میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہؐ نے ایسی بات کہی ہوگی جوتم کہہ رہے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قلیب بدر پر کھڑے ہوکر فرمایا:

((هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً...... ثم قال: انهم يسمعون الآن ما اقول))

''اے قلیب والو! کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو درست پایا؟ پھر فرمایا: اب یہ لوگ میری بات سن رہے ہیں'' جب حضرت عائشہؓ کے سامنے یہ روایت بیان کی گئی تو آپؓ نے فرمایا۔ (وهل إبن عمر، انما قال رسول الله ﷺ : انهم الآن ليعلمون ان الذى كنت اقول لهم لهو الحق) ابن عمرؓ صحیح نہیں سمجھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: قلیب والے اب جانتے ہیں کہ جو بات میں ان کے سامنے پیش کر رہا تھا وہ ٹھیک تھی...... اس قسم کی بہت ساری روایات ذخیرۂ حدیث میں موجود ہیں جنہیں اگر یکجا کیا جائے تو ایک معقول ضخامت کی کتاب بن سکتی ہے۔

خود آزمائی ①

۱- متن حدیث کے تجزیہ کو اصطلاح میں کیا کہتے ہیں۔

۲- امام ابن قتیبہ نے علماء حدیث کے بارے میں کیا تبصرہ کیا ہے۔

۳- درایۃ کی عام تعریف سے کیا مراد ہے۔

۴- درایۃ کی خاص تعریف علماء حدیث کی اصطلاح کو پیش نظر رکھ کیجئے۔

۵- صحابہ کرام نے اصول درایۃ کا استعمال کس طرح کیا۔

۶- حافظ ذھبی نے حضرت علیؓ کا کونسا قول نقل کیا ہے۔

۷- امام مسلم نے عبداللہ بن مسعود کے حوالہ سے کون سی روایت نقل کی ہے۔

۸- حضرت عائشہؓ نے ابن عمرؓ کی روایت سن کر کیا تبصرہ کیا۔

۹- محمود بن الربیع کی روایت پر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ارشاد فرمایا۔

⑤ درایت کے بنیادی اصول

ذیل میں ہم درایت کے چند بنیادی اصولوں پر بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ محدثین حضرات روایت کے متن کو کن کن پہلوؤں سے دیکھ کر اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔

5.1 روایت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہؐ کے خلاف نہ ہو

جو روایت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو اسے اصولاً قبول نہیں کیا جاتا...... حضرات صحابہؓ کا اس اصول پر عمل رہا۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے سامنے ایک خاتون نے کوئی حدیث بیان کی آپؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (الصحیح للامام مسلم. کتاب الطلاق فی باب المطلقة البائن لا نفقة لها) اس حدیث میں جس خاتون کا تذکرہ ہے وہ فاطمہ بنت قیس ہے۔ روایت کا تعلق طلاق شدہ خاتون کے اخراجات اور رہائش سے ہے۔ اسی طرح حدیث معراج میں آتا ہے حضور اکرم ﷺ رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث سنی تو اسکی صحت سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ قرآن کی آیت ﴿لاتدرکه الابصار﴾ کے خلاف ہے۔ (الصحیح للامام البخاری۔ کتاب التفسیر)

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے سامنے فال کے متعلق روایت بیان کی گئی تو آپؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہ ارشاد کس طرح فرما سکتے تھے جبکہ قرآن صراحۃً کہتا ہے۔ ﴿انّ الأمر کله لله﴾

5.2 روایت اسلامی کلیات کے خلاف نہ ہو

جو روایت اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح کے خلاف ہو محدّثین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

حافظ ذھبی حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں جو آپؓ لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا کرتے تھے۔

(حدثوا الناس بما یعرفون، ودعوا ماینکرون)

''انہی روایات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو جنہیں جانتے پہچانتے ہو اور جنہیں نہیں پہچانتے انہیں چھوڑ دو''

حضرت علیؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع روایات کی نقل وتحدیث کا جو سلسلہ جاری ہو گیا تھا ان جعلی روایات کو صحیح روایات سے جدا کرنے کیلئے آپؓ نے مسلمانوں کو یہ کسوٹی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جس کا حاصل بظاہر یہی ہے کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح سے جو روایات مطابقت رکھتی ہوں صرف انہیں کو قبول کرنا چاہیے اور قرآن جس عقل و دانش کو آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے جو چیزیں اس کے مخالف ہوں ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

روایات کے ردوقبول کا یہ وہی معیار ہے جس پر آخر وقت تک محدثین عمل کرتے رہے...... علامہ ابن الجوزی محدثین کا یہ اصول نقل کرتے ہیں۔ (کل حدیث رأیتہ، یخالف المعقول أو یناقض الأصول فاعلم أنہ موضوع) ''جس روایت کو آپ معقول اور اصول (کلیات) کے خلاف پائیں تو سمجھ لیجئے کہ موضوع اور من گھڑت ہے...... اس کے بعد لکھتے ہیں۔''

(أو یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ، أو مبائناً لبعض الکتاب والسنۃ المتواترۃ أو الاجماع القطعی حیث لا یقبل من ذلک التاویل)

''یا روایت ایسی ہو کہ حواس و مشاہدہ اسے مسترد کر دے یا کتاب اللہ اور سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے مخالف ہو اور کسی تاویل کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے تو ایسی حدیث اصول کے لحاظ سے ساقط الاعتبار کہلائے گی۔''

مقدمہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ آپؓ نے موضوع

روایات کے فتنہ کا تذکرہ کر کے فرمایا (لم نأخذ من الناس الا مانعرف) ''ہم انہی حدیثوں کو قبول کریں گے جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں''۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اس کے تحت لکھتے ہیں:

(أی ما یوافق المعروف أو تعرف فیه امارات الصحة وسمات الصدق) یعنی مانوس اور معروف ومشہور روایات یا وہ جن میں صحت کی علامات اور صداقت کے دلائل پائے جاتے ہوں......اور یہ دراصل درایت کے اسی اصول کی تفصیل ہے جو حضرت علیؓ نے پیش فرمایا تھا۔

بشیر عدوی نے جب ابن عباسؓ سے پوچھا:

(مالی لا اراک تسمع لحدیثی، احدثک عن رسول اللہ ﷺ ولا تسمع ؟. فقال ابن عباس : انا کنا مرّة اذا سمعنا رجلاً یقول: قال رسول اللہ ﷺ ابتدرته ابصارنا، واصغینا الیه بأذاننا، فلما رکب الناس الصعب والذلول، لم ناخذ من الناس الا ما نعرف) (مقدمة الصحیح للامام مسلم)

''آپ میری طرف متوجہ کیوں نہیں ہو رہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بیان کر رہا ہوں اور آپ دلچسپی لے نہیں رہے؟ تو ابن عباسؓ نے جواب دیا ہاں ایک وقت تھا جب ہمارے سامنے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا تذکرہ کرتا تو ہماری نگاہیں اس پر جم جاتیں اور کان اس کی طرف لگ جاتے۔ لیکن جب لوگوں نے نشیب وفراز کو ایک کر دیا تو اب ہم صرف انہی روایات کو قبول کرتے ہیں جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں''۔

بشیر عدوی ثقہ اور عادل رواۃ میں سے ہیں......امام نسائی اور ابن سعد نے آپ کی توثیق کی ہے......
حضرت ابوذر غفاری اور ابوالدرداءؓ سے آپ نے کئی روایات اخذ کی ہیں جو مآخذ میں منقول ہیں۔

5.3 روایت میں رکاکت نہ ہو

روایت کیلئے ضروری ہے کہ اس میں رکاکت نہ پائی جائے...... اگر روایت میں کسی بھی پہلو سے رکاکت موجود ہوتو اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا بالکل جائز نہیں۔ اس ضمن میں شیخ زین الدین عراقی کہتے ہیں:

(وربما یعرف بالرکاکۃ)

بسا اوقات حدیث کا من گھڑت ہونا اس کی رکاکت سے پہچانا جاتا ہے۔

اور ملا علی قاری کہتے ہیں:

(ومنها رکاکۃ الفاظ الحدیث و سماجتها بحیث یسمجها السمع و یدفعها الطبع)

''حدیث کے من گھڑت ہونے کی پہچان اس کے الفاظ کی رکاکت اور نقص ہے جو سننے والے کو ناگوار ہو اور طبیعت اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔

روایت میں رکاکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک لفظی اور دوسری معنوی ...... لفظی رکاکت سے مراد یہ ہے کہ روایت کے الفاظ و کلمات غیر معیاری ہوں۔ جملوں میں ترتیب و ترکیب کی کمی ہو اور زبان دان اسے پڑھتے ہوئے یوں محسوس کریں کہ یہ کسی غیر معیاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ و کلمات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ افصح و ابلغ العرب ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات و فرمودات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ کے ارشادات کے الفاظ اور جملے قواعد عربیہ کے خلاف اور فصاحت و بلاغت کے معیار سے گرے ہوئے ہوں۔ رکاکت معنوی کا مطلب یہ ہے کہ روایت کا مفہوم اور مضمون شان نبوت کے مطابق نہ ہو اور کلام معیار نبوت سے گرا ہوا ہو۔ حافظ ابن قیم کہتے ہیں: **(ویسمج معناها للفطن)** یعنی اہل دانش اس کے معنی و مفہوم کو ناگوار سمجھیں۔ مثلاً

(من فارق الدنیا وھو سکران، دخل القبر سکران و بعث من قبرہ سکران وامر بہ الی

(النار سکران إلی جبل یقال له سکران)

''جس شخص کی موت نشہ کی حالت میں ہوئی وہ قبر میں نشہ کی حالت میں داخل ہوگا اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اسی حالت میں آگ کی طرف جانے کا حکم ہوگا جس پہاڑ کی طرف اسے لے جایا جائے گا اس کا نام سکران ہے ...... یا مثلاً یہ روایت

(ان لله ملکا اسمه عمارة علی فرس من حجارة الیاقوت، طوله مد بصره، یدور فی البلدان ، ویقف فی الأسواق، فینادی ألا لیغل کذا و کذا، ألا لیرحض کذا او کذا)

''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا نام عمارہ ہے وہ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تا حد نظر اس کی لمبائی ہے وہ بستیوں میں گھومتا اور بازاروں میں آوازیں لگاتا ہے۔ اشیاء کی قیمتیں اتنی بڑھاؤ، اشیاء کی قیمتیں اتنی گھٹاؤ۔''

رکاکت لفظی اور معنوی کی وجہ سے علماء حدیث نے روایات کی ایک معقول تعداد کو رد کر دیا ہے۔ جن حضرات کا تعلق تحدیث و روایت سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ مبارکہ کی کثرت استعمال کی وجہ سے ان کے اندر ایک خاص قسم کا ملکہ اور سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ موضوع روایت کو پہچان لیتے ہیں۔ حافظ ابن دقیق العید اس بارے میں لکھتے ہیں:

(حصلت لهم لکثرة محاولة الفاظ النبی ﷺ بیئة نفسانیة وملکة قویة یعرفون بها مایجوز أن یکون من ألفاظ النبوة ومالا یجوز)

''رسول اکرم ﷺ کے الفاظ مبارکہ کی کثرت استعمال اور ان کے برتنے میں مشغولیت کی شدت ان حضرات میں ایک خاص قسم کا سلیقہ پیدا کر دیتی ہے اور ایسی غیر معمولی حذاقت جس کی وجہ سے وہ اس کو پہچاننے لگتے ہیں کہ کون سے الفاظ کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف درست ہوسکتا ہے اور کن الفاظ کا انتساب درست نہ ہوگا''۔

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

(أتی إبن عباس بکتاب فیه قضاء علّی فمحاه الا قدر وأشار سفیان بذراعه)

حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ حضرت علیؓ کے فیصلوں پر مشتمل ہے۔ابن عباسؓ نے اس کتاب کو لے کر مٹانا شروع کیا مگر اتنا باقی رکھا حضرت سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر۔

علامہ بلقینی فنی ذوق کے بارے میں لکھتے ہیں:

(ان انسان لوخدم انسان سنین و عرف مایحب ومایکره، فادعی انسان انه کان یکره شئاً یعلم ذلک انه یحبه، وبمجرد سماعه یبادر إلی تکذیبه)

''اگرایک شخص کسی کی برسوں خدمت کر کے اس کی پسند وناپسند سے واقفیت حاصل کرے اور پھر کوئی اس کی پسندیدہ شے کے بارے میں کہہ دے کہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو سننے کے ساتھ ہی یہ اس کو جھوٹ قرار دے دے گا اور مزید تحقیق کی ضرورت نہ سمجھے گا۔

5.4 روایت میں پیشنگوئی ماہ وسال کے تعین کے ساتھ ہو

اگر روایت میں کوئی پیشنگوئی ماہ وسال کے تعین کے ساتھ ہو تو ایسی روایت کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا محدّثین کے نزدیک درست نہیں۔حافظ ابن قیم کہتے ہیں:

(أن یکون فی الحدیث تاریخ کذا و کذا) ''متن میں تاریخ کا تعین ہو''۔

ملاعلی قاری کہتے ہیں:

(ومنها احادیث التواریخ المتسقبلة، مثلاً عند رأس مائة یبعث الله ریحا باردة یقبض الله فیها روح کل مؤمن)

''ہر سو سال کے بعد اللہ جل شانہ ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس کے ذریعہ ہر مومن کی روح کو قبض کرلے گا''۔ یا مثلاً (اصحابی أهل ایمان و علم إلی أربعین، وأهل بروتقوی إلی الثمانین، وأهل تواصل و تراحم إلی العشرین و مائة واهل تقاطع وتدابر إلی الستین و مائة ثم الهرج الهرج) ''میرے اصحاب چالیس سال تک ایمان وعمل والے ہوں گے۔اسی (۸۰) سال تک نیکی اور تقوی والے ہوں گے۔ایک سو بیس سال تک باہمی صلۂ رحمی اور محبت والے ہوں گے۔ایک سو ساٹھ سال تک قطع تعلقات اور نفرت والے ہوں گے اس کے بعد بے چینی اور اضطراب ہوگا۔

5.5 روایت مقتضیات عقل کے خلاف نہ ہو

جو روایت مقتضیات عقل کے خلاف ہو اس کا باطل ہونا معلوم ہے علماء حدیث ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے۔علامہ شمس الدین سخاوی اس بارے میں کہتے ہیں:

(لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم) ''ایسی روایت کے راوی قابل اعتبار نہیں ان کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے...... مطلب یہ کہ رواۃ کی شہرت اور ثقاہت کی وجہ سے اس قسم کی روایت کو اہمیت نہیں دی جاسکتی۔علامہ ابن الجوزی اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ألاتری أنه لو اجتمع خلق من الثقات فاخبروا أن الجمل قد دخل فی سم الخیاط لما نفعنا ثقتهم ولا اثرت فی خبرهم لأنهم أخبروا المستحیل)

''کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر ثقہ لوگوں کی جم غفیر خبر دے کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو گیا اس صورت میں نہ ان کی ثقاہت ہمیں نفع دے گی اور نہ ان کی خبر ہمیں متاثر کرے گی اس لئے کہ انہوں نے جس واقعہ کی خبر دی ہے وہ ناممکن اور محال ہے'' علمائے حدیث نے اس اصول کے پیش نظر ذخیرۂ حدیث میں منقول کئی روایات کو صحیح ماننے سے انکار کیا۔مثلاً:

(الورد الأبیض خلق من عرقی لیلة المعراج، والورد الأحمر خلق من عرق جبرئیل،

والورد الأصفر خلق من عرق البراق)

''سفید گلاب معراج کی رات میرے پسینہ سے پیدا کیا گیا۔ سرخ گلاب جبریل کے پسینہ سے اور زرد گلاب براق کے پسینہ سے پیدا کیا گیا...... اس روایت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے جو کہ عقل عام کے بالکل خلاف ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے۔

(من قص اظفاره مخالفا لم يرفي عينيه رمداً) ''جس نے اپنے ناخن مخالف سمت سے کاٹے وہ آشوب چشم سے محفوظ رہے گا۔

روایت اگر مقتضائے عقل کے خلاف ہو اور اس میں تاویل صحیح نہ ہو سکے تو محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ شیخ عبدالعزیز البخاری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''إعلم ان الخبر إذا وردمخالفا لمقتضى العقل فإن امكن تاويله من غير تعسّف يقبل التاويل الصحيح وإن لم يمكن تاويله إلا بتعسّف لم يقبل ، لأنه لو جاز التاويل مع التعسّف لبطل التناقض من الكلام كله ، ويجب فيمالايمكن تاويله القطع على ان النبى ﷺ لم يقله وإلاحكاية عن الغيرأو مع زيادة أو نقصان ، وإن كان مخالف لنص الكتاب والسنة المتواترة، أوللإجماع فكذلک، لان هذه الأدلّة قطعية،والخبرظنّى، ولاتعارض بين القطعى والظنى بوجه، بل الظن يسقط بمقابلة القطعى''

''روایت اگر متقضائے عقل کے خلاف ہو تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں بغیر کسی تکلف یا تردد کے تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر تاویلِ صحیح ہو سکے تو اس خبر کو قبول کر لینا چاہئے ورنہ اسے رد کر دینا چاہیے۔ اس طرح جو خبر نص کتاب، سنت متواترہ یا اجماع کے خلاف ہو اسے بھی رد کر دینا ضروری ہے اس لئے کہ یہ تمام دلیلیں قطعی ہیں اور خبر ظنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قطعی اور ظنی میں کوئی تعارض نہیں ہوتا بلکہ قطعی کے مقابلہ میں ظن ساقط ہو جاتا ہے۔

5.6 روایت میں چھوٹے کام پر بڑے بھاری ثواب کی بشارت ہو یا چھوٹی بات پر سخت وعید کی گئی ہے

جس روایت میں کسی چھوٹے اور معمولی کام پر بڑے ثواب کی بشارت ہو یا چھوٹی سی بات پر سخت وعید ومبالغہ ہو ایسی روایت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں مثلاً (من اغتسل يوم الجمعة بنية وحسبة كتب الله له بكل شعرة نورا يوم القيامة، ورفع الله بكل قطرة درجته فی الجنة من در وياقوت وزبر جد بين كل درجتين مسيرة مائة عام)

''جس نے جمعہ کے دن اچھی نیت کے ساتھ غسل کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے قیامت کے دن اس کیلئے نور لکھے گا اور ہر قطرہ کے عوض جنت میں موتی، یاقوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجہ کے درمیان سو سال کی مسافت ہوگی''

یا جیسے: (من تواضع لغنى لاجل غناه، ذهب ثلثا دينه) ''جس نے کسی مالدار کے مال و دولت کی وجہ سے اس کے سامنے تواضع کی اس کا دو تہائی دین چلا گیا۔

⑥ اصول درایۃ کے متعلق محدّثین کے اقوال

6.1 ابواسحاق الشیرازی کا تجزیہ

شیخ ابواسحاق شیرازی اپنی مشہور کتاب ''اللمع'' میں لکھتے ہیں۔

وہ امور جن کی وجہ سے ثقہ راوی کی خبر کو بھی رد کر دیا جاتا ہے حسب ذیل ہیں:

۱- وہ روایت جو مقتضیات عقل کے خلاف ہو۔ ایسی روایت کا باطل ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ شرع تو مجوزات عقل کے مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

۲- روایت کتاب اللہ کی کسی نص، یا سنت متواترہ کے خلاف ہو تو سمجھا جائے گا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔

۳- اجماع امت کے خلاف ہو تو سمجھا جائے گا کہ بے بنیاد اور منسوخ ہے اس لئے کہ پوری امت کا عمل صحیح روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

۴- ایک ہی شخص تنہا کوئی ایسی روایت بیان کرے جس کا علم لوگوں کی بڑی جماعت کو ہونا ضروری ہو۔

۵- راوی تنہا ایسی روایت بیان کرے جس کو عادۃً تواتر کے ذریعہ مروی ہونا چاہیے اس لئے کہ اس قسم کی روایت میں وہ منفرد نہیں رہ سکتا۔ ہاں اگر روایت قیاس یا متداول عمل کے خلاف ہو تو اس صورت میں قابل لحاظ ہے۔

حضرت علقمہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ کے مشہور رکن ہیں، کہتے ہیں۔ (ان من الحدیث حدیثا له ضوء کضوء النهار تعرفه ...... وانّ من الحدیث حدیثاً له ظلمة کظلمة اللیل تنکره)

''حضرت ربیع بن ہیثم کا قول بھی اس سے ملتا جلتا ہے جس کے راوی خطیب بغدادی ہیں۔ (ان للحدیث

ضوء کضوء النهار یعرف، وظلمه کظلمة اللیل تنکر)

حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن کی روشنی کی مانند پہچانی جاتی ہے اور بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہے۔ جس سے تم مانوس نہ ہوگے۔

6.2 امام ابن الجوزی کا تجزیہ

علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں:

(الحدیث المنکر یقشعر منه جلد طالب علم وینفر منه قلبه فی الغالب وعنی بذلک الممارس لألفاظ الشارع الخبیر بها وبرونقها وبهجتها)

''موضوع اور منکر روایت کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے جسم اور دل پر ایک خاص قسم کا اثر ہو جاتا ہے جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ روایت صحیح نہیں۔ لیکن یہ اثر اس شخص پر ہوتا ہے جسے الفاظ حدیث کے استعمال کی اچھی خاصی مشق ہوگئی ہو اور وہ ان الفاظ وکلمات کی رونق اور خوبصورتی سے واقف ہوگیا ہو۔

(قال ابو الحسن بن الحضار فی تقریب المدارک علی موطأ مالک، قد یعلم الفقیه صحة الحدیث إذا لم یکن فی سنده کذاب، بموافقة ایة من کتاب الله تعالیٰ أو بعض أصول الشریعة فیحمله ذلک علی قبوله والعمل به)

''شیخ ابوالحسن بن حضار کہتے ہیں: مجتہد حدیث کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ہے:

۱۔ اس کی سند میں کوئی راوی جھوٹا نہ ہو۔

۲۔ کتاب اللہ کی کسی آیت سے اس کی مناسبت ہو۔

۳۔ اصول شریعت میں سے کسی اصول کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو۔

جب روایت اس قسم کی ہوتی ہے تو مجتہد اسے قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔

علامہ شمس الدین سخاوی اپنی مشہور کتاب ''فتح المغیث'' میں لکھتے ہیں.

(قال ابن الجوزی: کل حدیث رائیته یخالف المعقول أو یناقض الأصول فاعلم انه موضوع......الخ)

''علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو آپ دیکھیں کہ عقل یا اصول کے خلاف ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ من گھڑت ہے اس کے متعلق اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر اسی طرح وہ حدیث قابل اعتبار نہیں ہے جو حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔ اور وہ حدیث بھی ساقط الاعتبار ہے جو کتاب اللہ کی نص، سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور پھر کسی قسم کی تاویل کی گنجائش بھی اس میں نہ ہو......اسی طرح وہ حدیث جس میں ایک ذرا سی بات پر سخت وعید کی گئی ہو یا اس کے برعکس معمولی سے فعل پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو اس قسم کی حدیثیں قصہ گو اور بازاری لوگوں کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں......وہ حدیث بھی قابل لحاظ نہیں جس میں لغویت پائی جائے مثلاً یہ کہ کدو کو ذبح کئے بغیر نہ کھاؤ۔ اس کو دیکھ کر بعض حضرات نے کہا کہ اس کا راوی جھوٹا ہے۔ یہ تمام قرینے وہ ہیں جو روایت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ......جبکہ کوئی راوی تنہا ایسے شخص سے روایت کرے جس سے وہ ملا بھی نہ ہو یا تنہا کوئی ایسی بات بیان کرے جس کا علم اور لوگوں کو بھی ہونا ضروری تھا جیسے کہ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''الکفایۃ فی علم الروایہ'' کی ابتدا میں اس کی وضاحت کی ہے یا وہ واقعہ اتنا اہم ہو کہ اس کے نقل کے اسباب وافر ہوں۔ مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے لوگوں کو حج کرنے سے روک دیا۔

6.3 خطیب بغدادی، حافظ ابن عبدالبر اور ملاّ علی قاری کے اقوال

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

(الأخبار علی ثلاثة أضرب، فضرب منها یعلم صحته'...... وضرب منها یعلم فساده'...... وضرب منها لاسبیل إلی العلم بکونه علی واحد من الأمرین دون الأخر)

(الکفایة فی علم الروایة: ص.١٧)

یعنی ''منقول روایات تین قسم کی ہوتی ہیں:

...... ایک وہ جن کی صحت معلوم ہوتی ہے۔

...... دوسری وہ جن کا سقم معلوم ہوتا ہے۔

...... اور تیسری وہ جن کی صحت اور سقم کے بارے میں فوری طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مقصد یہ کہ تحقیق طلب ہوتی ہیں۔

اس کے بعد ان اقسام پر گفتگو کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:

جہاں تک دوسری قسم کی روایات کا تعلق ہے تو اس زمرہ میں وہ متون آتے ہیں جن کا سقم اور نقص معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کی روایات کے نقص کو معلوم کرنے کیلئے مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے:

ا- متن کا مضمون اور مفہوم عقل کے خلاف ہو مثلاً اجسام کی قدامت اور صانع کے وجود کی نفی اس میں بیان کی گئی ہو۔

۲- نص کتاب یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔

۳- جمہور امت نے اس کو رد کر دیا ہو۔

۴- خبر کا تعلق دین کے ایسے امور سے ہو جن کا جاننا ہر مکلّف کیلئے ضروری ہو لیکن اس کے باوجود خبر کی روایت راوی تک محدود رہی ہو...... خطیب بغدادی نے اس پر مزید گفتگو کی ہے۔

ہم نے محض اصولی نکات پر اکتفا کی ہے...... مذکورہ اقوال کو مدنظر رکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت قابل اعتبار نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟

ا- جو روایت عقل کے خلاف ہو۔

۲- جو روایت اصول مسلّمہ کے خلاف ہو۔

۳- جو روایت محسوس اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔

۴- قرآن مجید، سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی نہ ہو۔

۵- جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

۶- معمولی عمل پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

۷- روایت میں رکاکت لفظی یا رکاکت معنوی ہو۔

۸- راوی کسی ایسے شخص سے ایسی روایت کرے کہ کسی اور نے نہ کی ہو اور یہ راوی اس شخص سے ملا نہ ہو۔

۹- روایت ایسی ہو کہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو بایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

۱۰- جس روایت میں ایسا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ وقوع پزیر ہوتا تو سینکڑوں راوی اس کو بیان کرتے اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی اس کو بیان کرے۔

ملا علی قاری الھروی اپنی کتاب ''الموضوعات الکبیر'' کے خاتمہ پر روایات کے نامعتبر ہونے کے چند اصول بیان کرتے ہیں...... آپ نے اس سلسلے میں مثالیں بھی دیں ہیں اور ساتھ ساتھ مختصر بحث بھی کی ہے۔ ہم صرف ان اصولوں کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱- جس روایت میں ایسی فضول باتیں ہوں جو رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نہیں نکل سکتیں مثلاً یہ کہ جو شخص ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی ستر (۷۰) زبانیں ہوتی ہیں اور ہر زبان میں ستر لغت ہوتے ہیں۔

۲- وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

۳- جو روایت صریح حدیثوں کے خلاف ہو مثلاً جس کا نام احمد یا محمد ہو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ دوزخ سے نجات کا نام سے تعلق نہیں، عمل سے ہے۔

۴- جو حدیث واقعہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

۵- جو حدیث انبیائے کرام علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو مثلاً یہ کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب رواں، اور خوبصورت چہرہ کا دیکھنا۔

۶- وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیشنگوئی تاریخ کی قید کے ساتھ مذکور ہو مثلاً یہ کہ فلاں سن اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔

۷- وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے زیادہ ملتی جلتی ہوں۔ مثلاً ''ہریسہ کھانے سے قوت آتی ہے''۔

۸- وہ حدیثیں جن کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز تھا۔

۹- وہ حدیث جو صراحتاً قرآن کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہوگی اگر یہ روایت مان لی جائے تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کب آئے گی حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

۱۰- بعض وہ روایات جو حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

۱۱- جس حدیث میں رکیک الفاظ پائے جاتے ہوں۔ مثلاً (اربع لایشبع من اربع، انثی من ذکر و أرض من مطر و عین من نظر و اذن من خبر ......)

۱۲- بعض وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں۔

6۔

اخذو تحمل حدیث(1)

1۔ اخذ حدیث بذریعہ سماع

2۔ اخذ حدیث بذریعہ قراءۃ علی الشیخ

3۔ اخذ حدیث بذریعہ کتابتہ

7۔

اخذو تحمل حدیث(2)

1۔ الاجازۃ

2۔ المناولتہ

3۔ الاعلام

4۔ الوصیتہ

3۔ تحمل واداء حدیث اور اس کی اقسام

3.1- تحمل حدیث کا معنی ومفہوم

تحمل کا لغوی معنی

عربی میں کسی معاملے کا بوجھ اٹھانا اور ذمہ لینا اسے تحمل کہتے ہیں۔

تحمل حدیث کا اصطلاحی معنی

اصطلاح میں "شیخ واستاذ سے حدیث اخذ کرنے اور لینے کو تحمل حدیث کہتے ہیں"۔

3.2- طرق تحمل حدیث

اس تحمل حدیث کی آٹھ اقسام ہیں۔ جن میں پہلی دو زیادہ مقبول ہیں۔

1۔ سماع (شیخ سے حدیث سننا)

یہ پہلا طریقہ ہے کہ شیخ حدیث پڑھے اور طالب علم سنے۔

جس کی مندرجہ ذیل میں سے کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے:

ایک صورت یہ تھی کہ شیخ، اپنی مرویات کو اپنی حفظ و یادداشت سے پڑھتے تھے۔ جس کا دوسری صدی ہجری میں محدثین کے ہاں عام معمول تھا۔

ایک صورت یہ تھی کہ شیخ اپنی کتاب سے احادیث پڑھتے یا کسی ذہین طالب علم کی منقول کتاب سے پڑھتے جو اس نے اپنے شیخ کی کتاب یا کتب سے انتخاب کیا ہوتا۔

ایک صورت یہ تھی کہ طالب علم، شیخ سے علمی نشست کے دوران حدیث سے متعلق سوالات کرتے اور شیخ اس کے جوابات دیتے۔

ایک صورت یہ تھی کہ طالب علم حدیث کا ابتدائی حصہ شیخ کو سناتا اور باقی حصہ شیخ خود مکمل کر دیتے۔

ایک صورت یہ تھی کہ شیخ اپنی احادیث کو املاء کرا دیتے۔

سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ پہلے صحابی ہیں جو احادیث رسول کو املاء کرایا کرتے۔ابتداء میں اس طریقہ کار کو بہت سہل سمجھ کر چھوڑ دیا گیا مگر امام زہریؒ نے اسی طریقہ کو ہی اپنایا جو طالب علم حدیث لکھتا اسے احادیث املاء کراتے۔ املاء عموماً حافظے سے ہوا کرتی۔ ایک اچھا کاتب منتخب کیا جاتا جو شیخ کی ادائیگی کی رفتار سے احادیث لکھ سکتا۔ دوسرے طلبہ اس کی کتابت کی غلطیوں کو پکڑتے بھی تھے۔اس طرح یہ لکھی ہوئی کتاب طلبہ حدیث مستعار لے کر اس سے اپنی اپنی نقول تیار کرتے۔ یہ نقول بعد میں طلبہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے دہراتے یا شیخ کو سنا کر درست کر لیا کرتے تھے۔

سماع کے ان طریقوں کا مقصد یہی ہوتا کہ شیخ کے منہ سے نکلے الفاظ سن کر انہیں لکھ لیا جائے تا کہ شیخ کی سند سے انہیں روایت کیا جا سکے۔مشائخ (حدیث کے اساتذہ) سے تحمل حدیث (حدیث کو حاصل کرنا) کی یہ اعلیٰ ترین نوع ہے۔

2۔ قراءۃ علی الشیخ (شیخ کے سامنے حدیث پڑھنا)

استاذ سے علم حدیث حاصل کرنے کا یہ دوسرا طریقہ ہے جسے عرض بھی کہتے ہیں کہ طالب علم یا کوئی اور شیخ کی مرویات پڑھے اور شیخ سنیں۔چاہے یہ پڑھنا حفظ سے ہو یا کتاب سے اور چاہے شیخ پڑھنے والے کی متابعت اپنے حفظ سے کرے یا اپنی کتاب کو سامنے رکھ کر۔اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک طالب علم استاد کے سامنے کسی قابل اعتماد نسخے سے احادیث پڑھتا جب کہ دوسرے طلبہ ان احادیث کو غور سے سنتے اور اپنے نسخے کے ساتھ ان کا مقابلہ کئے جاتے۔دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں یہ طریقہ خاصا مقبول ہوا۔ بیشتر مشائخ، طلبہ کو اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دیتے جسے وہ اپنے لئے لکھ بھی لیتے۔ بصورت دیگر شیخ کی اصل کتاب کے پہلے سے نقل شدہ صحیح نسخے سے ہی پڑھ لیتے۔ کتاب کا جتنا حصہ وہ روزانہ پڑھتے یہ ایک مجلس کہلاتی اور اس جگہ وہ قلم سے گول دائرہ بنا دیتے تا کہ یاد رہے کہ اگلی مجلس میں یہاں سے پڑھنا ہے۔اس طرح کتاب کے اختتام تک اندازہ بھی ہو جاتا کہ شیخ کے ساتھ اس کتاب کو پڑھنے میں کل کتنی مجالس ہوئیں؟اگر ایک طالب علم ان احادیث کو کتب میں پاتا تو بھی اسے یہ اجازت نہ تھی کہ وہ شیخ کے

نام سے ان احادیث کو روایت کرے جب تک وہ انہیں شیخ کے سامنے پڑھ کر انہیں روایت کرنے کی اجازت نہ لے لیتا۔

3۔ اجازۃ (شیخ کا روایت حدیث کی اجازت دینا)

یہ روایت حدیث کا ایک سرٹیفیکیٹ ہے جو شیخ اپنے اہل شاگرد کو یا شاگردوں کو اپنی کتب کی یا اپنی بعض مرویات کی روایت کی اجازت کے طور پر دیتا۔ یہ سرٹیفیکیٹ کبھی شیخ خود لکھتا اور کبھی صرف منہ سے کہہ دیتا کہ أَجَزْتُ لَكَ أَنْ تَرْوِيَ عَنِّيْ مَرْوِيَّاتِيْ أَوْ مُؤَلَّفَاتِيْ۔ میں تمہیں اپنی کتب یا مرویات کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔ اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ شاگرد نے وہ کتاب شیخ کو پڑھ کر سنائی ہو یا شیخ سے سنی ہو۔

اجازۃ کا یہ سلسلہ اس لئے قائم ہوا تا کہ حدیث یا اصل کتاب محفوظ رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ آنے پائے۔

4۔ مناولۃ (لکھی ہوئی احادیث دینا)

اس کی دو صورتیں ہیں:

ا۔ مناولہ اجازہ کے ساتھ

یعنی شیخ طالب علم کو کتاب دے اور اسے کہے: هٰذا رِوَايَتِيْ عَنْ فُلَانٍ فَارْوِهِ عَنِّي۔ یہ میری فلاں سے روایات ہیں تم انہیں مجھ سے روایت کرو۔ جیسے امام زہریؒ (م: ۱۲۴ھ) اپنی کتب شاگردوں کو تھماتے ہوئے یہ فرماتے تھے۔ جن میں امام الثوری، الاوزاعی اور عبید اللہ بن عمر جیسے نامی گرامی محدثین کرام ہیں۔

۲۔ مناولہ بغیر اجازۃ کے

یہ اس طرح کہ شیخ کتاب طالب علم کو دے اور صرف اتنا کہے کہ یہ میری روایات ہیں۔

محدثین کے نزدیک کیا اس کتاب کی روایت جائز ہے؟ تو جمہور محدثین اور فقہاء کہتے ہیں کہ جائز نہیں مگر کچھ حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں۔

5۔ کتابۃ (شیخ کا حدیث لکھ کر بھیجنا)

شیخ اپنے خط سے یا کسی کو کہہ کر اپنی احادیث یا اپنی مسموعات لکھ کر اپنے ثقہ طالب علم کو بھیجے اور اسے

روایت کرنے کی اجازت دے۔

ایسی صورت میں اس لکھے ہوئے کی روایت امام بخاریؒ کے نزدیک جائز ہو گی۔

6۔ اعلام الشیخ (شیخ کا اجازت کا اعلان کرنا)

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگردوں یا طلبہ کو یہ بتائے کہ میں نے فلاں سے یہ حدیث سنی تھی یا یہ کتاب ہے اور اس کی روایت کی اجازت میرے پاس اس کے مصنف کی طرف سے ہے۔ لہٰذا تم اسے مجھ سے روایت کر سکتے ہو۔

اس صورت میں اس کتاب یا حدیث کی روایت بلا خلاف محدثین، فقہاء اور اصولیین کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ اصل کتاب مصنف کے دستخط اور اجازۃ یعنی سرٹیفکیٹ کے ساتھ میسر ہو۔ اگر یہ شرط موجود نہ ہو تو اس کی روایت کی جائز نہیں ہو گی۔

7۔ وصیۃ (شیخ کا وصیت کرنا)

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیخ اپنے سفر یا موت سے پہلے کسی ثقہ طالب علم کو اپنی کتاب دیتے ہوئے یہ وصیت کرے کہ وہ اسے روایت کر دے یا کسی کے لئے لکھ دے۔

ابو قلابہ (م: ۱۰۴ھ) جب شام میں فوت ہوئے تو اپنی کتب کی وصیت ایوب کے لئے کر گئے۔ کجاوے کے برابر یہ کتب جب ان کے پاس پہنچیں تو ایوب کہتے ہیں میں نے محمد بن سیرین سے کہا: میرے پاس ابو قلابہ کی کتب پہنچی ہیں کیا میں ان سے حدیث بیان کروں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر فرمانے لگے: نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے روکتا ہوں۔ اس لئے اگر طالب علم کے پاس اس شیخ کی اجازت حدیث پہلے سے ہی ہے تو وہ ایسی کتب کو روایت کر سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ علماء نے اسے مناولہ یا اعلام سے ملتی جلتی صورت قرار دے کر جائز کہا ہے۔

8۔ وجادۃ (کسی معروف شیخ کی لکھی ہوئی کتاب کو پالینا)

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی معروف شخص کے ہاتھ کی لکھی کتاب حدیث کسی کو مل جائے جس کا نہ تو

اس نے سماع کیا ہو، نہ اجازت لی ہو، اور نہ ہی مناولۃ حاصل کی ہو۔ تو کیا وہ ایسی احادیث کو روایت کر سکتا ہے؟ کیونکہ یہ حدیث سیکھنے کا طریقہ نہیں۔

جمہور محدثین کہتے ہیں کہ جو ان احادیث یا کتب کو روایت کرنا چاہتا ہے اسے دوٹوک اور واضح الفاظ میں کہنا چاہئے: وَجَدْتُّ فِي كِتَابِ فُلَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَانٌ۔ میں نے فلاں کی کتاب میں پایا کہ ہمیں حدیث بیان کی فلاں نے۔ تو پھر کوئی معیوب بات نہیں۔ لیکن اگر صرف حَدَّثَنَا کہے گا جس کا معنی ہے کہ فلاں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تو پھر ناجائز ہوگا اور معیوب بات ہوگی۔ ایسی کتاب یا احادیث کی ادائیگی کے وقت یوں کہے: وَجَدْتُّ فِي كِتَابٍ أو بِخَطِّ فُلَانٍ۔ میں نے فلاں کی کتاب میں پایا۔

بغور دیکھا جائے تو یہ ایک پورا تعلیمی و تربیتی نظام ہے جس میں کلاس روم، استاذ و شاگرد کی موجودگی، علم حاصل کرنے کے مختلف طریقے، استاد کی مجلس حدیث اور حدیث کی روایت جسے شاگرد لکھتے جائیں یا شاگرد پڑھے اور استاد سنتا جائے اور تصحیح کرتا جائے۔ قلم و دوات، کاغذ، کتابت کے اصول، املاء شیخ، بعد از مجلس کتابت کی غلطیوں کی اصلاح، پروف ریڈنگ، نسخوں کا باہم مقابلہ، اور پھر کتاب کے ختم ہوتے ہی ہزاروں نسخوں کا وجود میں آ جانا، سرٹیفیکیٹ لکھنے کا طریقہ، اس کا حصول، استاد کی وضاحت، تصدیق اور دستخط، اس کے حصول پر شاگردوں کی خوشی، بڑے عالم یا امام سے سرٹیفیکیٹ کے حصول کے بعد اس کا مقام، شاگردوں کا اسے حاصل کرکے پھر اپنے اپنے علاقوں میں جاکر اسے آگے پھیلانا، سند کا ایک پورا نظام بن جانا۔ فاصلاتی نظام تعلیم، استاذ و شاگرد کا گہرا تعلق، اور ایک دوسرے پر فخر و خوشی۔ مسلمانوں نے ہی اس کو متعارف کرایا جو آج بھی تعلیم کے جدید طریقوں کے لئے اجنبی نہیں ہے بلکہ یہی قابل قبول ہے اس لیے مسلمانوں کے حوالے سے یہ کہنا درست نہیں کہ ان کے ہاں صرف زبانی روایت ہی رائج رہی اور لکھنے لکھانے سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

3.3- اداء حدیث کا معنی و مفہوم

اداء کا لغوی معنی

عربی میں کسی شے کو پہنچانا اور اسے مکمل کرنا اداء کہلاتا ہے۔

اداء حدیث کا اصطلاحی معنی

علوم حدیث کی اصطلاح میں تحمل حدیث کے بعد اسے روایت کرنا اداء حدیث کہلاتا ہے۔

یعنی جب شاگرد اپنے شیخ سے کوئی حدیث حاصل کر کے اسے آگے نقل کرتا ہے یا پہنچاتا ہے تو اس عمل کو ادائے حدیث یا تحدیث کہتے ہیں۔

3.4- طرق اداء حدیث

ادائے حدیث کی بھی وہی آٹھ اقسام اور طریقے ہیں جو کہ تحمل حدیث کے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ تحمل حدیث کی صورتیں راوی کے اپنے شیخ سے احادیث حاصل کرنے کے مختلف طریقوں کو بیان کرتی ہیں جب کہ اداء حدیث کے طرق میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ان اقسام میں سے ہر ایک کو کن الفاظ اور صیغوں کے ذریعے راوی آگے نقل کرے گا تا کہ ان الفاظ کو دیکھ کر راوی سے حدیث لینے والا یہ سمجھ جائے کہ یہ روایت راوی نے فلاں طریقے سے حاصل کی ہے۔ تحمل حدیث کی ہر قسم کو کن الفاظ کے ذریعے اداء کیا جائے گا اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ سماع

جب طالب علم سماع کے بعد اپنے شیخ کی ان احادیث کو روایت کرتا تو اس کے الفاظ کی ادائیگی یہ ہوتی: سَمِعْتُ (میں نے سنا)، حَدَّثَنَا (شیخ نے ہم سے حدیث بیان کی)، أَخْبَرَنَا (شیخ نے ہمیں خبر دی)، أَنْبَأَنَا (شیخ نے ہمیں خبر دی) یا حَدَّثَنِي (شیخ نے مجھ سے حدیث بیان کی)، أَخْبَرَنِي (شیخ نے مجھے خبر دی)، أَنْبَأَنِي (شیخ نے مجھے خبر دی) وغیرہ۔ جمع کے صیغے کا مطلب ہے: طالب علم نے اپنے شیخ سے حدیث دیگر طلبہ وحاضرین کی موجودگی میں سنی تو حَدَّثَنَا، أَخْبَرَنَا، أَنْبَأَنَا کے کلمات کہے۔ اور اگر اکیلے میں سنی تو زیادہ محتاط لفظ سمعتُ ہی ہے ورنہ حَدَّثَنِي، أَخْبَرَنِي، أَنْبَأَنِي کے الفاظ کہے۔

۲۔ قراءۃ علی الشیخ

شیخ سے جب طالب علم اس طریقہ سے روایت کرے تو پھر وہ یوں کہے: قَرَأْتُ عَلَى فُلَانٍ، میں نے

فلاں شیخ کے سامنے یہ حدیث یا کتاب پڑھی۔اور اگر کسی اور نے کتاب یا حدیث پڑھی ہوتی اور یہ طالب علم خود سنتا تو پھر یوں کہتا: قُرِئَ عَلَى فُلَانٍ وَأَنَا أَسْمَعُ فلاں شیخ کی موجودگی میں یہ حدیث یا کتاب پڑھی گئی اور میں سن رہا تھا۔ یا پھر حَدَّثَنَا أَوْ أَخْبَرَنَا قِرَاءَةً عَلَيه کہے جس کا معنی ہے کہ ہم تک یہ حدیث یا خبر قراءۃ علی الشیخ کے ذریعے پہنچی۔

۳۔ اجازہ

بہتر یہی ہے کہ مجاز لہ یعنی جسے شیخ کی طرف سے روایات حدیث کی اجازت دی گئی ہے اداء حدیث کے وقت یوں کہے: أَجَازَ لِيْ فُلانٌ۔ مجھے فلاں نے اجازت دی۔یوں کہنا بھی ٹھیک ہے: حَدَّثَنِي أَو أَخْبَرَنِي فُلانٌ إِجَازَةً۔ مجھے فلاں نے حدیث بیان کی یا خبر دی اجازت کے طریقے سے۔

۴۔ مناولہ

اس طریقے میں اگر تو شیخ نے کتاب وغیرہ شاگرد کو دیتے وقت ساتھ واضح طور پر اجازت بھی دی ہو تو اداء حدیث کے وقت راوی ناولنی و اجازنی کہے کہ شیخ نے مجھے یہ کتاب دی اور اسے روایت کرنے کی اجازت بھی دی اور اگر شیخ نے کتاب وغیرہ شاگرد کے حوالے کرتے وقت ساتھ اجازت کے الفاظ نہ کہے ہوں تو پھر شاگرد اداء حدیث کے وقت صرف ناولنی کہے۔

۵۔ کتابۃ

اس قسم میں طالب علم کے الفاظ اداء حدیث کے وقت یہ ہوں گے: كَتَبَ إِلَيَّ فُلانٌ (فلاں شیخ نے میری طرف یہ لکھ کر بھیجا)۔ یاحَدَّثَنِي فُلَانٌ كِتَابَةً (فلاں شیخ نے بذریعہ خط وکتابت مجھے حدیث بھیجی)۔ یا اخْبَرَنِي فُلانٌ كِتَابَةً (فلاں شیخ نے لکھ کر مجھے یہ خبر بھیجی)۔اس عمل کو کتابت کہا گیا۔یہ فاصلاتی نظام تعلیم تھا جو دور بیٹھے طلبہ کے لئے پہلی صدی ہجری میں ہی وجود میں آیا۔

۶۔ اعلام الشیخ

اس قسم میں شاگرد ادائیگی کے وقت یوں کہے: فِيْمَا أَعْلَمَنِي شَيْخِي أَنَّ فُلانًا حَدَّثَه۔ میرے شیخ نے مجھے

اطلاع دی کہ فلاں نے اسے یہ احادیث بیان کیں۔

۷۔ وصیۃ

جسے وصیت کی گئی ہے وہ آگے ادائے حدیث کے وقت یوں کہے: فِیۡمَا أَوْصٰی إِلی فلان بِکِتَابِ کَذَا، أَخْبَرَنِی فُلانٌ وَصِیَّةً۔ جو فلاں شیخ نے مجھے اس کتاب کے بارے میں وصیت کی تھی۔ یا فلاں نے مجھے اس حدیث یا کتاب کی وصیت کی تھی۔

۸۔ وجادۃ

جمہور محدثین کہتے ہیں کہ جو ان احادیث یا کتب کو روایت کرنا چاہتا ہے اسے دوٹوک اور واضح الفاظ میں کہنا چاہیئے: وَجَدْتُ فِی کِتَابِ فُلانٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَانٌ۔ میں نے فلاں کی کتاب میں پایا کہ ہمیں حدیث بیان کی فلاں نے۔ تو پھر کوئی معیوب بات نہیں۔ لیکن اگر صرف حَدَّثَنَا کہے گا تو پھر ناجائز ہوگا اور معیوب بات ہوگی۔ ایسی کتاب یا احادیث کی ادائیگی کے وقت یوں کہے: وَجَدْتُ فِی کِتَاب أو بِخَطِّ فُلانٍ۔ میں نے فلاں کی کتاب میں یا فلاں کی تحریر میں پایا۔

خود آزمائی

سوال نمبر ا۔ تحمل حدیث اور ادائے حدیث کا معنی اور مفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ تحمل حدیث کے طریقے تفصیل کے ساتھ لکھیں۔

سوال نمبر ۳۔ تحمل کی مختلف صورتوں میں اداء حدیث کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ اور ان کے معانی پر روشنی ڈالیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمرو عبد المنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624 ، ایم اے ، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر۔

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبد الرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابو الحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

8۔

علوم الحدیث کی انواع

1) علم جرح و تعدیل
2) علم مختلف الحدیث
3) علم اسماء الرجال
4) علل الحدیث
5) غریب الحدیث
6) ناسخ و منسوخ
7) تعارض الحدیث
8) اسباب ورود حدیث

4۔ علم مختلف الحدیث و مشکل الحدیث

4.1- مختلف الحدیث کا معنی و مفہوم

لغوی اعتبار سے یہ 'اختلاف' سے ماخوذ ہے جو کہ اتفاق کی ضد ہے اور کا معنی ہے مختلف ہونا۔ اصطلاحی مفہوم میں 'مختلف' ایسی احادیث کو کہا جاتا ہے جو کہ سند کے لحاظ سے دونوں قابل قبول ہوں لیکن ان کا مفہوم بظاہر ایک دوسرے کے مخالف ہو۔ اور اس ظاہری تعارض کو دور کرنا بھی ممکن ہو۔

دونوں 'مختلف' احادیث صحیح یا حسن کے درجے کی ہوتی ہیں اور ان میں بظاہر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل علم و فہم کے لئے اس اختلاف کو دور کرنا ممکن ہوتا ہے۔

'مختلف' کی مثال

مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے، لا عدوی و لا طیرۃ یعنی "ایک جانور سے دوسرے جانور کو بیماری لگنا کچھ نہیں ہے اور پرندوں سے شگون لینا بھی کچھ نہیں ہے۔" اس کے برعکس بخاری کی ایک حدیث میں ہے فر من المجذوم فرارک من الاسد، یعنی "کوڑھ میں مبتلا کسی شخص سے اس طرح دور بھاگو جیسا کہ تم شیر سے دور بھاگتے ہو۔"

یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں لیکن بظاہر ان میں اختلاف نظر آتا ہے۔ پہلی حدیث بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کرتی نظر آتی ہے لیکن دوسری حدیث اس کے وجود کو تسلیم کرتی نظر آتی ہے۔ اہل علم نے متعدد انداز میں ان دونوں احادیث کے تعارض کو دور کیا ہے اور ان میں موافقت پیدا کی ہے۔ یہاں ہم اس بحث کا ذکر کریں گے جو حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے۔

اس حدیث سے تعارض کو دور کرنے کا طریقہ:

ان دونوں احادیث کا تضاد اس طرح سے دور کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ "کوئی کسی دوسرے سے مرض حاصل کر کے بیمار نہیں ہوتا" اور جب آپ ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک خارش زدہ اونٹ دوسرے اونٹوں کو بھی یہ مرض لگا دیتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"پھر پہلے کو یہ مرض کس نے لگایا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ مرض کی ابتدا اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی پہلے کے بعد دوسرے کو بھی بیمار کرتا ہے۔

جہاں تک کوڑھ کے مرض میں مبتلا شخص سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تو وہ "سد ذرائع" (یعنی احتیاطی تدبیر) کے طور پر تھا۔ آپ ﷺ اس بات سے اتفاق کر رہے تھے کہ ایک شخص کو دوسرے شخص سے اللہ تعالی کی مرضی کے مطابق جذام لاحق ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلے کو لاحق ہوا۔ لیکن چونکہ اس وقت کئی لوگ اللہ تعالی کی مرضی سے قطع نظر بیماری کے متعدی ہونے کا قائل تھے اور یہ نظریہ غلط تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کی اصلاح فرمادی کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو خود سے کوئی بیماری نہیں لگ سکتی اور نہ آگے دوسرے کو لگ سکتی ہے البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے احتیاطی اور لاپروائی برتی جائے بلکہ کوڑھ جیسے مرض میں مبتلا لوگوں سے احتیاط بھی کی جائے گی۔

مختلف احادیث کا حکم

مختلف احادیث کے ساتھ جن ان مراحل میں معاملہ کیا جائے گا ان کی ممکنہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر انہیں جمع کرنا ممکن ہو (یعنی ان کا تضاد ختم کیا جا سکتا ہو) تو اس تضاد کو ختم کر کے ان پر عمل کیا جائے گا۔

۲۔ اگر مضبوط وجوہات کی بنیاد پر انہیں جمع کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اس بات کا تعین کیا جائے گا کہ ان میں سے ایک حدیث ناسخ (یعنی حکم کو منسوخ کرنے والی) ہے اور دوسری منسوخ۔ ناسخ حدیث پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔

۳۔ اگر ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہو سکے تو پھر ان میں سے کسی ایک حدیث کو ترجیح دینے کی کوشش کی جائے گی۔ اس ترجیح کی بنیاد کچھ اصول ہیں جن کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ قابل ترجیح حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ چند اہم اور بنیادی وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

(الف) راوی کے احوال کی وجہ سے ترجیح: اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت جس کے راوی زیادہ ہوں اسے ترجیح حاصل ہو گی اگر باقی صفات میں راوی

برابر ہوں۔

(ب) تحمل حدیث کی وجہ سے ترجیح: جیسے سماع کے ذریعے حاصل کی جانے والی روایت کو مناولہ کے ذریعے حاصل شدہ روایت پر ترجیح حاصل ہو گی۔

(ج) کیفیت روایت کے لحاظ سے ترجیح: جیسے روایت باللفظ کو روایت بالمعنی پر ترجیح حاصل ہو گی۔

(د) روایت کے وقت ورود کے لحاظ سے ترجیح: جیسے وہ روایت جو راوی نے اسلام لانے کے بعد سنی ہو اسے ترجیح حاصل ہو گی اس روایت پر جو راوی نے اسلام لانے پہلے سنی ہو۔

(ھ) روایت کے الفاظ کے لحاظ سے ترجیح: جیسے خاص کی ترجیح عام پر۔

و) حکم کی وجہ سے ترجیح: جس میں حرمت ذکر کی گئی ہو اس کی ترجیح اس پر جس میں مباح ہونا ذکر کیا گیا ہو۔

ز) کسی خارجی امر کی وجہ سے ترجیح: جیسے ظاہر قرآن جس روایت کے موافق ہو اسے ترجیح حاصل ہو گی۔

۴۔ اگر ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دینا بھی ممکن نہ ہو، اور ایسا بہت ہی کم ہو گا، تو پھر ہم اس وقت تک ان دونوں احادیث پر عمل نہ کریں گے جب تک ان میں سے ایک کو ترجیح نہ دی جاسکے۔

یہ فن علوم حدیث کے اہم ترین فنون میں سے ہے۔ اہل علم کے لئے اسے حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس میں وہ اہل علم ماہر ہوتے ہیں جو حدیث، فقہ اور اصول فقہ سب علوم پر عبور رکھتے ہوں۔ اہل علم نے تعارض کو دور کرنے کے لئے جو کاوشیں کی ہیں اس سے ان کی دقت نظری، انتخاب کی خوبی اور ان کے مقام و مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔

4.2- علماء و کتب مختلف الحدیث

اختلاف الحدیث کو حل کرنے کے لیے متعدد علمائے حدیث نے قلم اٹھایا۔ بعض نے سب مختلف احادیث

کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ بعض نے صرف ان احادیث میں اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی جو انہیں ملیں اور بعض نے اپنے تصور کے مطابق جن احادیث کو معارض سمجھا ان کے درمیان سے اختلاف کا ازالہ کیا اور ان کے مقصود کو بیان کیا۔ اس طرح جو کتابیں وجود میں آئیں ان میں سے دو اہم اور مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ اختلاف الحدیث للامام الشافعی

یہ اس فن میں پہلی تصنیف ہے جسے امام شافعی (م ۲۰۲ھ) نے لکھا اس موضوع پر اس سے پہلے کی لکھی ہوئی کوئی تصنیف آج تک ہمیں نہیں ملی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر تمام احادیث کو جمع نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس فن کی بعض احادیث کو اپنی کتاب میں ذکر کر کے ان کے درمیان جمع و تطبیق دے دی اور ان کے تعارض کو دور کیا تاکہ علماء کے لیے مثال قائم ہو جائے۔

۲۔ تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ

امام شافعی کے بعد اس فن میں مشہور کتاب حافظ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) کی کتاب تاویل مختلف الحدیث ہے۔ انہوں نے یہ کتاب مخالفین حدیث کے رد میں لکھی جنہوں نے محدثین پر یہ الزام لگایا تھا کہ انہوں نے متناقض روایات جمع کی ہیں اور یوں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادے کو ناممکن بنادیا ہے۔ اس کتاب میں ابن قتیبہ نے مخالفین کے اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب دیا۔ اسی وجہ اس کتاب کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور آج تک علماء کے ہاں مقبول ہے یہ کتاب اپنے وقت کی ثقافت کی بہترین عکاسی کرتی ہے اور بار بار طبع ہو چکی ہے۔

4.3- مشکل الحدیث کا معنی و مفہوم

"مشکل الحدیث "اس مقبول حدیث کو کہتے ہیں جس کی مراد مخفی ہو گئی ہو بایں طور کہ ظاہری لفظ کسی محال معنی پر دلالت کر رہا ہے یا وہ قواعد شرعیہ یا عرفیہ کے معارض ہے۔

مختلف الحدیث میں تعارض دو حدیثوں کے درمیان ہوتا ہے اور مشکل الحدیث میں اولاً تعارض کا ہونا ضروری نہیں۔ صرف معنی مرادی واضح نہیں ہوتا۔ کبھی اگر تعارض ہوتا ہے تو عموم کے ساتھ کہ اس کا تعارض

قرآن سے بھی ہو سکتا ہے، حدیث سے بھی اور ان کے علاوہ دیگر ادلہ شرعیہ سے بھی۔

حدیث کے مشکل ہونے کا اسباب:

عام طور سے حدیث کے مشکل ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

(۱) دو یا چند حدیثوں کے درمیان باہم تعارض۔(اسی کو مختلف الحدیث بھی کہتے ہیں، لہذا مشکل الحدیث عام ہے اور مختلف الحدیث اس کا حصہ ہے)

(۲) ظاہر حدیث کا قرآن کے ظاہر سے یا اجماع سے یا واقعۂ تاریخی سے یا عقل سے متعارض ہونا۔

(۳) حدیث کے معنی کا مخفی ہو جانا لفظ کے غریب اور نامانوس ہونے کی وجہ سے یا معنی لغوی اور معنی مرادی کے درمیان مناسبت کے بعید ہونے کی وجہ سے۔

(۴) حدیث سے حکم شرعی کے مستنبط کرنے میں فقہائے کرام کے نقطہائے نظر کا مختلف ہونا؛ چونکہ بسااوقات یوں ہوتا ہے کہ دو مختلف نظریہ کے حامل فقہاء اپنے موقف کی تائید میں ایک ہی حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ فرق صرف طریقۂ استدلال کا ہوتا ہے۔اس وقت اہلِ علم کے لیے یہ مشکل ہو جاتا ہے کہ حدیث واقعی کس کی تائید کر رہی ہے۔

مشکل الحدیث کی مثال:

حدیث میں آتا ہے إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَاتَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَاتُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِه اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کا کھلے طور پر دیدار ہوگا جو معارض ہے آیتِ شریفہ: لَاتُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔(الانعام:۱۰۳) ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پاتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔اس آیت میں بظاہر رؤیتِ باری تعالیٰ کی نفی ہے،اس اشکال کو اس طرح دور کیا گیا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالی کو نہیں دیکھا جا سکتا لیکن آخرت میں اللہ تعالی انسان کو اتنی طاقت عطا فرمادے گا کہ وہ اللہ تعالی کا دیدار کر سکے۔

4.4- علماء وکتب مشکل الحدیث

یہ بات ہمارے علم میں ہونی چاہیے کہ عام طور پر علم مختلف الحدیث کا مواد مشکل الحدیث کی کتابوں میں اور اسی طرح علم مشکل الحدیث کا مواد مختلف الحدیث کی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے ،یہ وجہ ہے کہ علماء اور مصنفین عام طور پر ان دونوں میں فرق نہیں کرتے اور مشکل الحدیث کی کتابوں کی فہرست میں مختلف الحدیث کے نام سے لکھی گئی کتابوں کا اور اسی طرح اس کا عکس بھی کرتے رہتے ہیں لہذا ان دونوں فنون کے بارے میں معلومات کے لیے دونوں قسم کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا مفید ہے، لیکن ہم نے کتب کے ناموں کی رعایت کرتے ہوے مختلف الحدیث اور مشکل الحدیث کو الگ الگ ذکر کر دیا ہے، مشکل الحدیث پر متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں سے دو اہم کتابیں درج ذیل ہیں :

ا۔ مشکل الآثار للطحاوی

اس کتاب کے مصنف ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی (م ۳۲۱ھ) ہیں ،یہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے ،آپ کی یہ کتاب اس فن کی بڑی اور اہم ترین کتابوں میں سے ہے ، امام طحاوی رحمہ اللہ کتاب کے شروع میں اس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بہت سی مقبول روایات کو دیکھا جن کے راوی بھی بڑے امانت دار اور قابل اعتماد تھے اور انہوں نے روایت کو اچھی طرح پہنچانے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن ان میں کچھ ایسی چیزیں نظر آئیں جن کی وجہ سے ان روایات وآثار کو صحیح طور پر سمجھنا اکثر لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی ۔اس لیے میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ان میں خوب غور و فکر کرکے جہاں تک ہو سکے اس مشکل کو آسان بنایا جائے۔ ان سے جو احکام نکلتے ہیں انہیں بیان کیا جائے اور جو چیزیں اس کے فہم میں رکاوٹ کا باعث بن رہی ہیں انہیں دور کیا جائے اور میں اس کے ابواب بناوں جن میں سے ہر باب میں اس موضوع سے متعلق جو بھی اللہ تعالی نے مجھے علم و فہم عطا فرمایا ہے اسے ذکر کر دوں یہاں تک کہ وہ سب کچھ اس میں آجائے جو میرے بس میں ہے۔ میں اللہ تعالی سے اس پر اس کی جناب سے اجر و ثواب کی التجا کرتا ہوں اور اس

کام کے لیے توفیق اور مدد کا سوال کرتا ہوں اس لیے کہ وہ بڑا سخی اور کریم ہے، اور وہی میرے لیے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے کتاب کے شروع میں جن اغراض و مقاصد کا اظہار کیا کتاب کے اندر انہوں ان کے ساتھ پوری طرح انصاف کیا اور انہیں پورا کرکے دکھایا اور یہ ایک نہایت ہی جامع کتاب ہے جس میں عقائد، آداب، فقہ، اسباب نزول، قراءات وغیرہ بہت سے موضوعات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کتاب کی بہت سی امتیازی خوبیاں ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کیا جارہا۔

۲۔ مشکل الحدیث وبیانہ لابن فورک

یہ کتاب ابو بکر محمد بن حسن بن فورک انصاری اصفہانی (م ۴۰۶ھ) کی تصنیف ہے جو ابن فورک کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کی ان مشہور احادیث کو جمع کیا جن سے بظاہر تشبیہ یا تجسیم یا تعارض ثابت ہوتا تھا۔ ملحد (بے دین) لوگ ان احادیث کو دین اسلام پر طعن و تشنیع کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ ان حدیثوں کو جمع کرکے ابن فورک نے ان کا اصل مقصود بیان کیا ہے۔ ان کے درمیان مختلف ذرائع سے تطبیق دی اور مخالفین اسلام اور مخالفین حدیث وسنت کو تمام اعتراضات کا جواب دے کر باطل ثابت کر دیا۔ یہ کتاب احادیث کے بارے میں بہت سے عقلی اور نقلی دلائل اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

4.5- محکم الحدیث (الحدیث المحکم)

لغوی اعتبار سے یہ 'احکم'' کا اسم مفعول ہے جس کا معنی ہے مضبوط بنائی گئی چیز۔ اصطلاحی مفہوم میں وہ احادیث جو اختلافات سے پاک ہیں اور قبول کی گئی ہیں، '' محکم '' کہلاتی ہیں۔ اکثر احادیث اسی قسم کی ہیں۔ جہاں تک اختلافی احادیث کا تعلق ہے، تو ان کی تعداد بہت کم ہے۔

خود آزمائی

سوال نمبر ۱۔ مختلف الحدیث اور محکم الحدیث کا معنی و مفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ مشکل الحدیث کا معنی و مفہوم واضح کریں۔

سوال نمبر ۳۔ مختلف الحدیث اور مشکل الحدیث سے متعلق اہم کتابوں کا تعارف کروائیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمر وعبد المنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624، ایم اے، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبد الرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبد الرؤوف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

یونٹ نمبر ⑤

علل الحدیث

تالیف: ابتسام الرحمان
نظر ثانی: ڈاکٹر محمد شاہد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع "علل الحدیث" سے ہے۔ علل الحدیث علوم الحدیث میں نہایت اہم مقام رکھتا ہے اور اس سے روایات حدیث کی جانچ پڑتال میں بہت مدد ملتی ہے۔اس یونٹ میں آپ علل الحدیث کا معنی و مفہوم، علل الحدیث بلحاظ سند، علل الحدیث بلحاظ متن اور علماء و کتب علل الحدیث کے متعلق پڑھیں گے۔

اس یونٹ میں بھی اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے،آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ علل الحدیث کا معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔

2۔ علل الحدیث بلحاظ سند کی وضاحت کر سکیں۔

3۔ علل الحدیث بلحاظ متن پر روشنی ڈال سکیں۔

4۔ علماء و کتب علل الحدیث کا تعارف کروا سکیں۔

5۔ علل الحدیث

5.1۔ علل الحدیث کا معنی و مفہوم

علل جمع ہے علت کی۔ علت لغت میں ایسے مرض کو کہتے ہیں جو مریض کو دوسرے کاموں سے روک دے۔

اصطلاح میں علت کسی ایسی پوشیدہ خامی کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں حدیث کے صحیح ہونے پر اعتراض کیا جاسکے۔

دوسرے الفاظ میں یہ ایسا مخفی اور پوشیدہ سبب ہے جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے، حالانکہ حدیث اپنی ظاہری حالت کے اعتبار سے اس طرح کے سبب سے خالی نظر آتی ہے۔

حدیث کے ماہرین کے نزدیک "علت" کی دو لازمی خصوصیات ہیں۔ ایک تو اس کا پوشیدہ ہونا اور دوسرے اس کے نتیجے میں حدیث کی صحت کا مشکوک ہو جانا۔

اگر ان دونوں میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو حدیث کے ماہرین کی اصطلاح میں اسے علت نہ کہا جائے گا۔ مثلاً اگر حدیث میں کوئی خامی ہے لیکن وہ ظاہر ہے، پوشیدہ نہیں ہے یا خامی تو پوشیدہ ہے لیکن اس سے حدیث کی صحت مشکوک نہیں ہوتی تو اس صورت میں اس خامی کو علت نہیں کہا جائے گا۔

ہم نے اوپر علت کی جو تعریف بیان کی ہے، وہ محدثین کے نزدیک علت کی اصطلاحی تعریف ہے۔ حدیث و علوم الحدیث میں غیر اصطلاحی مفہوم میں بھی لفظ "علت" کو استعمال کیا جاتا ہے مثلا حدیث سے متعلق کسی بھی قسم (کی خرابی) کے الزام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

راوی کے جھوٹ بولنے، لاپرواہونے، اس کے حافظے کے کمزور ہونے، وغیرہ کو بھی علت کہا جاتا ہے۔ امام ترمذی نے اسے اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

ایسی خامی کو بھی علت کہا جاتا ہے جس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ کسی ثقہ راوی کا مرسل حدیث روایت کرنا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ معلل بھی ہے۔

جس حدیث میں علت پائی جائے اسے محدثین کرام نے تین ناموں سے یاد کیا ہے: معل، معلول، معلل۔

اور اصطلاح میں حدیث معلل وہ حدیث کہلاتی ہے جو بظاہر صحیح ہو مگر غور کرنے پر اس میں کوئی علت (عیب) قادحہ (جو ضعف کا سبب ہو) پائی جائے جس کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دے دیا جائے۔

علت انہی روایات میں تلاش کی جاتی ہیں جن میں بظاہر صحیح ہونے کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث میں تو علتیں تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہی نہیں کیونکہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

علت کو پہچاننے کے لئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی حدیث کو بیان کرنے میں راوی بالکل اکیلا ہی تو نہیں۔ اس کی روایت دیگر راویوں کی روایت سے مختلف تو نہیں وغیرہ۔ اس کے علاوہ دیگر شواہد بھی تلاش کیے جاتے ہیں۔

اس فن کا ماہر تفصیلی چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ راوی کو اس حدیث کے بارے میں وہم لاحق ہوا تھا یا نہیں۔ اس نے کہیں ایک متصل سند والی حدیث کو مرسل (جس کی سند میں سے صحابی کا نام غائب ہو) تو نہیں بنا دیا؟ کہیں اس نے موقوف حدیث (صحابی تک پہنچنے والی حدیث) کو مرفوع (رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم تک پہنچنے والی) تو نہیں کر دیا؟ کہیں اس نے حدیث میں کوئی اور حدیث تو نہیں ملا دی یا اپنے وہم کی وجہ سے کچھ اور تو اس حدیث میں داخل نہیں کر دیا؟ ان تمام تفصیلات کی بنیاد پر حدیث کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

معلل حدیث کو جاننے کا طریق کار یہ ہے کہ کسی حدیث کے تمام طرق (اسناد) کو جمع کیا جائے۔اس کی مختلف روایتوں اور راویوں کے باہمی اختلاف پر غور کیا جائے۔ مختلف راویوں کی مہارت اور احادیث کو محفوظ رکھنے (ضبط) کا موازنہ کیا جائے اوراس کے بعد حدیث کی علت سے متعلق حکم لگایا جائے۔

5.2- علل الحدیث بلحاظ سند

علت زیادہ تر حدیث کی اسناد میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ حدیث کے مرسل یا موقوف ہونے کی علت۔

مثال

حدیث موقوف ومرفوع کے درمیان تعارض جس میں حدیث موقوف کو راجح قرار دیا گیا ہے۔اس قسم کی مثال مندرجہ ذیل ہے:

حدیث سعید بن جبیرعن ابن عمر رضی اللہ عنہ : سئل رسول اللہ ﷺ عن لیلۃ القدر :فقال ھی فی رمضان۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا،آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ مدار حدیث (یعنی جن کے نام پر اس حدیث کی مختلف سندیں یا طریق جمع ہو رہے ہیں) ہیں،ان سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں:ایک موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ جنہوں نے اس حدیث کو مرفوعا روایت کیا ہے،دوسرے راوی علی بن صالح رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اس حدیث کو موقوفا روایت کیا ہے،عالم علل حدیث امام دار قطنی رحمہ اللہ حدیث موقوف ومرفوع کے درمیان ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: حدیث موقوف ہی قوی ہے۔

یہ حدیث دوطریقوں سے یعنی موقوفاومرفوعاروایت کی گئی ہے جیسا کہ امام دار قطنی رحمہ اللہ کے بیان سے واضح ہے۔وجہ اول راجح ہے یا وجہ ثانی؟اس کا فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم غور کریں،اس حدیث کے مزید طرق ہیں یا نہیں؟اوراس حدیث کی کن کن محدثین نے تخریج کی ہے؟

وجہ اول حدیث مرفوع کی تخریج:

اس کی تخریج امام ابو دائود، طحاوی، بیہقی، جصاص، ابو نعیم اور سیوطی رحمہم اللہ سب کے سب نے: ''محمد بن جعفر بن ابی کثیر عن موسی بن عقبۃ عن ابی اسحاق السبیعی بہ'' کے طریق سے. مرفوعاروایت کی ہے۔

وجہ ثانی حدیث موقوف کی تخریج:

اس کی تخریج امام طحاوی رحمہ اللہ نے پہلے طریق کے علاوہ مزید دو طرق سے اور کی ہے:

پہلا طریق: ابو نعیم عن حسن بن صالح عن ابی اسحاق السبیعی بہ۔

دوسرا طریق: شعبہ والثوری عن ابی اسحاق السبیعی بہ

مذکور بالا مثال میں وجہ علت:

جب ہم مرفوع وموقوف کے دونوں طریقوں کو ناقدین کی نظر سے دیکھتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس مثال میں راجح حدیث موقوف ہے، اور اس کے راجح ہونے کی تین وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ:

حدیث کے موقوف ہونے پر علی بن صالح کی متابعت ان کے بھائی حسن بن صالح، شعبہ اور ثوری رحمہم اللہ نے کی ہے۔

دوسری وجہ:

تین راویوں کا ایک راوی سے موقوفا روایت کرنا، ایک راوی کے اس ایک راوی سے مرفوعا روایت کرنے سے بہتر و اقویٰ ہے۔

تیسری وجہ:

ائمہ علل حدیث نے حدیث موقوف کو حدیث مرفوع پر ترجیح دی ہے۔ چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ

ارشاد فرماتے ہیں: "اس حدیث کی اصل موقوف ہے۔اسی طرح ثبت راویوں نے ابواسحاق سبیعی سے روایت کی ہے"۔

اور امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حدیث موقوفا اور مرفوعا روایت کی گئی ہے اور موقوف اشبہ یعنی بہتر ہے"۔

اس تفصیلی بیان سے واضح ہو گیا کہ حدیث موقوف راجح ہے اور طریق مرفوع، طریق موقوف کے جو کہ متابعت پر مشتمل ہے، معارض ہونے کی وجہ سے طریق مرفوع مرجوح ہے۔

5.3- علل الحدیث بلحاظ متن

کبھی کبھار علت حدیث کے متن میں بھی پائی جاتی ہے۔

اس کی مثال صحیح مسلم شریف میں موجود ہے اور وہ یہ ہے: روایة الولید بن مسلم حدثنا الاوزاعی عن قتادة انه کتب الیه یخبره عن ابی بن مالك قال صلیت خلف النبی ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان فکانوا یستفتحون بالحمد لله رب العالمین لا یذکرون بسم الله الرحمٰن الرحیم فی اول قراءة و لا فی آخرها-

امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ایک جماعت نے حدیث کے مذکورہ الفاظ کو اس وجہ سے معل قرار دیا کیونکہ اکثر راویوں نے صرف اتنا متن ذکر کیا ہے :فکانوا یستفتحون القراءة بالحمد لله رب العالمین، اور بسم اللہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ اتنے ہی متن کی تخریج پر امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کا اتفاق بھی ہے۔ نیز فرمایا: جن راویوں نے ''لا یذکرون بسم الله الخ'' کے ساتھ متن کا ذکر کیا ہے، ان لوگوں نے آپ ﷺ کے قول ''کانوا یستفتحون بالحمد لله'' سے یہ سمجھا کہ وہ لوگ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ اسی سمجھ کے اعتبار سے حدیث کو بالمعنی روایت کیا اور ان سے خطاء واقع ہوئی"۔

بعض اوقات سند میں علت ہونے کی وجہ سے متن بھی متاثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر حدیث مرسل ہو تو

اس علت کے باعث متن بھی متاثر ہوتا ہے۔ بعض اوقات علت سے صرف سند ہی متاثر ہوتی ہے اور حدیث کا متن صحیح رہتا ہے۔اس کی مثال یہ حدیث ہے۔

یعلی بن عبید ثوری سے، وہ عمرو بن دینار سے، اور وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ "جب تک خرید و فروخت کرنے والے اپنی جگہ سے الگ نہ ہوں تو انہیں سودا منسوخ کرنے کے اختیار کی اجازت ہے۔"

اس حدیث میں متن درست ہے البتہ سند میں یہ غلطی موجود ہے کہ اس میں غلطی سے عمرو بن دینار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصل راوی عبداللہ بن دینار ہیں۔ چونکہ عمرو اور عبداللہ دونوں ہی ثقہ راوی ہیں اس وجہ سے راوی کا نام غلط بیان کر دینے سے حدیث کے متن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

5.4- علماء و کتب علل الحدیث

علل حدیث کی پہچان کا علم، علوم حدیث میں مشکل ترین ہے اور اس کا درجہ دیگر علوم سے بلند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے ذریعے احادیث میں پوشیدہ خامیوں کو تلاش کیا جاتا ہے جو کہ سوائے علوم حدیث کے ائمہ اور متخصص ماہرین کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس علم کے ماہرین کے لئے اعلی درجے کا حافظہ، معلومات اور دقت نظر درکار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس میدان میں سوائے چند قلیل ماہرین جیسے ابن مدینی، احمد، بخاری، ابو حاتم اور دار قطنی وغیرہ نے ہی قدم رکھا۔

اس فن کے اولین علماء میں تابعی جلیل امام محمد بن سیرین (ت ۱۱۰ھ) امام ایوب سختیانی و شعبہ بن حجاج (ت ۱۶۰ھ) یحی بن سعید قطان (ت ۱۹۸ھ) یحی بن معین (ت ۲۳۳ھ) احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) بخاری (ت ۲۵۶ھ) مسلم بن حجاج (ت ۲۶۱ھ) نسائی (ت ۳۰۳ھ) ترمذی (ت ۲۷۹ھ) ابن عدی (۳۶۵ھ) اور دار قطنی (ت ۳۸۵ھ) علیہم الرحمہ وغیر ہم کے اسماء سر فہرست ہیں۔ ان ائمہ کے بعد بھی بعض دیگر محدثین نے اس فن میں قابل ذکر کاوش فرمائی۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا، یہاں تک کہ علامہ زین الدین عبد الرحمن بن

رجب حنبلی صاحب ''شرح علل الترمذی''، متوفی ۷۹۵ھ اس دقیق فن پر کلام کرنے والے علماء کی آخری کڑی شمار کئے گئے۔اس کے بعد بھی محدثین کرام مثلا استاذ المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی (ت ۸۵۲ھ) محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (ت ۹۰۲ھ) اور ابو بکر جلال الدین سیوطی (ت ۹۱۱ھ) رحمھم اللہ وغیرہم کو اس فن کے ماہرین میں شمار کیا گیا ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کی تصنیفات اول الذکر علماء کی تصنیفات کا عطر و خلاصہ ہیں۔ان حضرات نے اس فن میں کوئی خاص اضافہ نہ کیا۔اس کے باوجود ان کی کاوشیں متاخرین علماء کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ابھی تک ان محدثین عظام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علمائے کرام کے ذریعے ''حدیث معلل''، پر کلام کرنے کا سلسلہ جاری و ساری ہے، دور حاضر میں ''ڈاکٹر احمد محمد علی بیومی مصری استاذ شعبہ حدیث، جامعہ ازہر شریف'' کی کتاب ''اتحاف ذوی المقل ببیان حدیث المعل'' اس موضوع پر بہت مفید کتاب ہے۔

علل الحدیث سے متعلق چند اہم اور مشہور تصانیف اور ان کے مصنفین کے نام درج ذیل ہیں:

ابن المدینی کی کتاب العلل

ابن ابی حاتم کی علل الحدیث

احمد بن حنبل کی العلل و معرفۃ الرجال

ترمذی کی العلل الصغیر اور العلل الکبیر

دارقطنی کی العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ۔یہ کتاب سب سے جامع ہے۔

ابن رجب حنبلی کی شرح علل الترمذی

ان میں سے دو اہم کتابوں اور ان کے مصنفین کا تعارف درج ذیل ہے:

1۔ کتاب العلل لابن ابی حاتم رازی

مصنف کا پورا نام حافظ أبو محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم الحنظلي الرازي (م 327ھ) ہے۔

آپ کا شمار علوم الحدیث کے صف اول کے ماہرین اور ائمہ میں ہوتا ہے۔آپ کی پیدائش ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد ابو حاتم رازی،ابو زرعہ رازی سمیت اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا اور شاگردوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔آپ کے والد ابو حاتم رازی(م277ھ) کا شمار بھی ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔حافظ ابن کثیر ان کے بارے میں فرماتے ہیں : "احد ائمة الحفاظ الاثبات العارفين بعلل الحديث والجرح و التعديل "یعنی آپ ان جلیل القدر حفاظ حدیث میں سے ہیں جو علل الحدیث اور علم جرح تعدیل کے ماہر ہیں۔ابن ابی حاتم رازی عبادت گذاری، تقوی اور پرہیز گاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اَبو یعلی الخلیلی ان کے علمی مقام و مرتبے کے متعلق فرماتے ہیں :"كان بحراً في العلوم ومعرفة الرجال والحديث الصحيح من السقيم، وله من التصانيف ما هو أشهر من أن يوصف؛ في الفقه، والتواريخ الخ "۔یعنی آپ علوم کے ایک سمندر تھے ،رجال کی معرفت اور صحیح حدیث کو ضعیف سے الگ کرنے میں آپ کو خصوصی مہارت حاصل تھی نیز فقہ اور تاریخ وغیرہ میں آپ کی تصانیف کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

آپ کی مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں :

آداب الشافعی ومناقبہ

اصل السنۃ واعتقاد الدین

بیان خطاالبخاری فی تاریخہ

تفسیر مقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل

جرح وتعدیل

زہد الثمانیہ من التابعین

العلل

المراسیل

ثواب الاعمال

حدیث ابن ابی حاتم

رد علی الجہمیہ

فضائل اہلبیت

فضائل امام احمد

فضائل قزوین

فضائل مکہ

الکنی

علل الحدیث کے موضوع پر ان کی کتاب "کتاب العلل" خاص اہمیت کی حامل ہے اور علمائے حدیث کے ہاں مقبول ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کے بارے میں فرماتے ہیں "له كتاب العلل المصنفة المرتبة على ابواب الفقه" کہ ان کی ایک کتاب جس کا نام کتاب العلل ہے وہ ابواب فقہ کی ترتیب پر لکھی گئی ہے۔

بعض اہلِ علم نے ان کی کتاب کو حسنِ ترتیب کے اعتبار سے "العلل للدارقطني" پر ترجیح دی ہے۔ چنانچہ علامہ الجزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كتاب العلل للحافظ أبي الحسن علی بن عمر الدارقطنی خمس مجلدات وسطی اطلعت علیه فرأيته جم الفوائد الا ان كتاب العلل لابن ابی حاتم احسن ترتيبا واقرب لاستفادة الناس منه" یعنی مجھے اوسط حجم کی پانچ جلدوں پر مشتمل دارقطنی کی کتاب العلل کا پتہ چلا تو میں نے اسے دیکھا اور بہت سے فوائد پر مشتمل پایا البتہ ابن ابی حاتم کی کتاب العلل حسن ترتیب میں اس سے بہتر ہے اور لوگوں کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا زیادہ آسان ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی یہ کتاب دو جلدوں میں نو سو (۹۰۰) سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اس میں تین ہزار معلول احادیث ذکر کی ہیں جو دراصل ان سوالات اور جوابات پر

مشتمل ہیں، جو انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے والدِ محترم اور امام ابو زرعہ الرازی رحمہم اللہ سے کیے تھے۔

2۔ العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ للدار قطنی

مصنف کتاب کا نام علی، کنیت ابو الحسن ہے اور نسب نامہ یہ ہے: علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن نعمان بن دینار بن عبد اللہ۔

امام دار قطنی 5 ذوالعقدہ سنہ 306ھ کو بغداد کے ایک محلہ ''دار قطن'' میں پیدا ہوئے، امام دار قطنی کو علم و فن خصوصاً احادیث نبوی (ﷺ) سے غیر معمولی شغف تھا وہ نہایت کم سنی میں اس فن کی تحصیل میں مشغول ہو گئے تھے۔ امام صاحب کے زمانہ میں بغداد علمی حیثیت سے نہایت ممتاز اور نامور علما و محدثین کا مرکز تھا، وہاں آپ نامور علما و محدثین سے اکتساب علم کرتے رہے مگر پھر بھی اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے بغداد کے علاوہ کوفہ، بصرہ، واسط، شام اور مصر وغیرہ جیسے متعدد مقامات پر تشریف لے گئے۔آپ کی جلالت قدر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام حاکم نیشاپوری اور ابو نعیم اصفہانی جیسے ائمہ حدیث آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

امام دار قطنی کا حافظہ غیر معمولی اور بے نظیر تھا اصحاب سیر نے ان کو الحافظ الکبیر، الحافظ المشہور، کان عالما حافظا جیسے القابات سے یاد کیا ہے۔امام ذہبی نے ان کو حافظ الزمان کہا ہے۔

وہ اپنے زمانے میں حفظ و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھے۔

علامہ ابن جوزی ان کے حفظ کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں

انفرد بالحفظ من تاثیر حفظه انه املی علل المسند من حفظه علی البرقانی

وہ حفظ میں منفرد اور یگانہ تھے اور ان کے حفظ کی یہ تاثیر تھی کہ وہ امام برقانی کو علل حدیث زبانی املاء کرواتے تھے۔

امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں

كان فريد عصره و امام وقته انتهى اليه علم الاثر

وہ اپنے زمانے کے منفرد اور امام وقت تھے اور ان پر احادیث و آثار کا علم ختم ہو گیا

امام بخاری کی طرح امام دار قطنی کو بھی ان کے زمانے میں امیر المومنین فی الحدیث کا خطاب ملا تھا- اسی لیے قاضی ابو طیب الطبری فرماتے ہیں۔

الدارقطنی امیر المومنین فی الحدیث

امام دار قطنی امیر المومنین فی الحدیث تھے۔

کتاب العلل:

یہ کتاب اس موضوع پر متقدمین کی کتابوں کا نچوڑ ہے اور بڑی جامع ہے ابو عبداللہ حمید اندلسی کا بیان ہے کہ فنِ حدیث کی تین اہم چیزوں میں ایک العلل بھی ہے اور اس میں سب سے عمدہ کتاب امام دار قطنی کی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس میں صحیح و غلط متصل، مرسل اور منقطع وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علل کے طرق کی کثرت و تعدد کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ مسانید کی ترتیب پر ہے ہے مثلاً پہلے خلفائے راشدین کی روایات پر بحث ہے پھر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی احادیث کا تذکرہ ہے۔ امام دار قطنی نے اس کی املاء کروائی اور ان کے شاگرد ابو بکر برقانی نے اس کو جمع و ترتیب دیا تھا۔ اس کتاب میں امام دار قطنی رحمہ اللہ سے مختلف احادیث کے متعلق سوالات کئے گئے اور آپ نے ان کے جواب دیئے۔ متقدمین نے جو علل پر کتب تالیف فرمائیں ان میں سے علل لابن المدینی، علل و معرفة الرجال لاحمد بن حنبل، المسند المعلل لیعقوب بن شیبه، العلل الکبیر، المسند المعلل للبزار، العلل لابن ابی حاتم معروف ہیں۔ جب ہم تقابلی مطالعہ کی حیثیت سے ان کتب کا علل الدار قطنی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو دار قطنی کی علل

ہر لحاظ سے فائق نظر آتی ہے۔ اس بات کا اعتراف حافظ ابن کثیر نے بھی کیا ہے۔ یہ کتاب سولہ جلدوں میں مطبوع ہے اور علل حدیث پر مشتمل ایک عظیم شاہکار ہے۔

خود آزمائی

سوال نمبر ا۔ علل الحدیث کا معنی و مفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ علل الحدیث بلحاظ سند اور علل الحدیث بلحاظ متن کی وضاحت کریں۔

سوال نمبر ۳۔ علماء و کتب علل الحدیث پر مفصل مضمون لکھیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمرو عبدالمنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624، ایم اے، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبدالرؤوف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

یونٹ نمبر ⑥

غریب الحدیث

تالیف: ابتسام الرحمان

نظر ثانی: ڈاکٹر محمد شاہد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع "غریب الحدیث" سے ہے۔ یہ علوم الحدیث میں سے ایک نہایت ہی اہمیت کا حامل علم ہے ،اس میں احادیث میں موجود ایسے مشکل الفاظ کو حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے جنہیں سمجھنے میں دوسرے الفاظ کے مقابلے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس یونٹ میں ہم غریب الحدیث کا معنی و مفہوم، غریب الحدیث کے اسباب اور غریب الحدیث سے متعلق اہم علماء اور کتابوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث کے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ غریب الحدیث کا معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
2۔ غریب الحدیث کے اسباب پر روشنی ڈال سکیں۔
3۔ غریب الحدیث سے متعلق اہم کتب اور علماء کا تعارف کروا سکیں۔

6۔ غریب الحدیث

6.1- غریب الحدیث کا معنی و مفہوم

اس علم میں ان روایات سے بحث کی جاتی ہے جن میں لغت کے لحاظ سے مشکل، دقیق اور قدیم الفاظ و کلمات وارد ہوئے ہوں۔

غریب سے مراد وہ کلمات ہیں جو عام طور پر محاورے میں استعمال نہ ہوتے ہوں اور ان کے سمجھنے میں طلبہ کو دقت محسوس ہوتی ہو غریب الحدیث کی کتابیں حدیث کی ڈکشنری کی حیثیت رکھتی ہیں۔

لغت کے لحاظ غرابت وطن سے دوری کا نام ہے، غریب عربی زبان میں مسافر اور اجنبی کو کہتے ہیں، جو مضمون ظاہر الفاظ سے دور یا فہم عام سے بالا ہو وہ غریب ہے، عجیب ہے، اس کی غرابت اسی پہلو سے ہے اور یہ کوئی کمزوری کی بات نہیں نہ یہ کوئی جرح کی بات ہے، اس کا سنداً غریب ہونے سے بھی کوئی تعلق نہیں، حدیث اسناد کے پہلو سے غریب ہو تو اس پر اصول حدیث کے تحت بحث کی جاتی ہے، لغت، ادب اور اسالیب عرب کے تحت نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث غریب اور غریب الحدیث میں فرق ہے۔

حدیث غریب

حدیث صحیح کی وہ قسم ہے جس کا "سند کے کسی مرحلے میں "راوی صرف ایک ہو، یہ درجہ حدیث عزیز اور حدیث متواتر کے مقابل ہے، درجہ میں اول حدیث متواتر ہے، پھر حدیث عزیز اور پھر حدیث غریب، حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں ہے: "ان الغرابة لاتنافی الصحة" حدیث کا غریب ہونا صحت کے منافی نہیں۔

ہاں غریب کا لفظ کبھی شاذ کے معنوں میں بھی آجاتا ہے، اس صورت میں حدیث غریب کی سند پر بحث ہوسکتی ہے، اس پہلو سے بھی حدیث غریب درجہ صحت سے نہیں نکلتی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رسالہ

اصول حدیث میں لکھتے ہیں: " فالشذوذ بهذا المعنی لاینافی الصحة کالغرابة"-یعنی شاذ اس معنی میں صحت کے منافی نہیں ہے، حدیث غریب کی ایک مثال وہ روایت ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، اس قلم نے تمام قدریں لکھیں، جو کچھ ہوا یا ہونے والا تھا سب "ماکان و مایکون" اس نے لکھ دیا، اس حدیث پر امام ترمذی لکھتے ہیں: هذا حدیث غریب اسنادا کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے غریب ہے معلوم ہوا غرابت کبھی الفاظ اور متن کے پہلو سے بھی ہوتی ہے۔

غریب الحدیث

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:

الغریب من الکلام إنما هو الغامضُ البعیدُ من الفهمِ

وہ بات غریب (بہت عجیب اور نادر) ہوتی ہے جو گہری اور عام آدمی کے فہم سے اونچی ہو۔

الفاظ اور بات کی غرابت سے مراد وہ دقیق الفاظ اور اونچے مضامین ہیں جن کا سمجھنا آسان نہ ہو، ایسے غریب الفاظ اور نادر مضامین پر محدثین نے جس فن میں گفتگو کی ہے اسے غریب الحدیث کہتے ہیں، بعض محدثین کا ذوق ایسے مضامین اور الفاظ کی تلاش رہا ہے جو اپنی ندرت اور غرابت کی وجہ سے ہر ایک کی رسائی میں نہ ہوں، اس باب میں صرف وہی علماء فن آگے بڑھ سکے جن کو طلب حدیث میں خصوصی شغف اور خاص انہماک رہا، حافظ اسمعیل عبداللہ بن محمد الاصبہانی (۳۹۶ھ) غریب الحدیث کی طلب اور روایت میں خاص ذوق رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"یروی الغریب من المحدثین فیبالغ قال لی مرة هذا الشان شان من لیس له شان سوی هذا الشان یعنی طلب الحدیث"

ترجمہ: آپ محدثین سے غریب الحدیث روایت کرتے اور آپ کی توجہ اس باب میں بہت زیادہ رہتی (راوی کہتا ہے) ایک دفعہ آپ نے مجھے کہا غریب (نادر الفاظ اور معانی کی)

احادیث کو لینا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جن کو اس حال کے سوا کسی اور حال سے غرض نہ ہو، ہر وقت طلب حدیث ان کا کام ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں؛ بلکہ یہ وہ باب کمال ہے جو اس فن کے ماہرین کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شان علم ہے جو اس فن کے اونچے علماء کو ہی میسر آتا ہے۔

یہ فن اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں مہارت کے بغیر متون حدیث کے درست معانی اور صحیح مفاہیم تک رسائی بہت مشکل ہوتی ہے۔

لوگوں کی اپنی عربی زبان بگڑتی یا عربی دانی کم ہوتی ہے تو ان پر ان الفاظ کا معنی و مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ یا ان الفاظ کا استعمال کم ہو تو سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے الفاظ کی شرح اور وضاحت گو دشوار کام ہے مگر پھر بھی درست معنی کی تلاش ضروری ہے جو غریب الحدیث کی قوامیس (Dictionaries) میں بآسانی مل جاتے ہیں۔ محض ظن و تخمین کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ کے کلام کی تفسیر و وضاحت کی اجازت نہیں۔ غیر مانوس لفظ کی عمدہ ترین وضاحت وہ روایت ہو گی جس میں بھی ان الفاظ کی تشریح مل جائے۔ اس علم نے استنباط واجتہاد کے دروازے بھی کھولے ہیں اور ذہنوں میں دینی و فقہی وسعت پیدا کی ہے۔

6.2- غریب الحدیث کے اسباب

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ غریب الفاظ سے مراد مبہم، غیر واضح یا ایسے الفاظ ہیں جو تشریح کے محتاج ہوں۔ اس پر یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور اعلی درجے کی گفتگو فرماتے تھے تو آپ کے کلام میں ایسے الفاظ کے پائے جانے کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ہر طبقے کے افراد سے مخاطب ہوتے تھے اور ان کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے تھے تو اس طرح جب آپ اعلیٰ طبقے کی ثقافت کو سامنے رکھتے تو یہ الفاظ وہ تو سمجھ جاتے تھے لیکن دوسروں کی سمجھ میں

بعض اوقات نہیں بھی آتے تھے۔ وہ کبھی تو اسی وقت آپ سے رجوع کرتے تو آپ وضاحت فرمادیتے اور کبھی بعد میں خود بخود ان کی سمجھ میں آجاتے۔ اس کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل واقعے سے ہوتی ہے:

طہفہ بن ابی زبیر نہدی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی اور ان کے ہاتھ ان کے قبیلے کی طرف ایک خط بھی روانہ فرمایا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی فصیح و بلیغ زبان استعمال فرمائی کہ آپ کے بعض رفقاء بھی حیران رہ گئے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کبھی کبھار وفود عرب سے ایسی گفتگو فرماتے ہیں کہ جو ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی حالانکہ ہم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" یعنی میرے رب نے مجھے ادب سکھایا ہے اس لیے میری خوب اچھی طرح سے تربیت فرمائی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غرابت کا تعلق حضور کی ذات سے نہیں بلکہ سامعین کی ثقافت کے مختلف درجات سے ہے یہ بات صرف حدیث میں نہیں بلکہ عربی زبان میں بھی پائی جاتی ہے اور دنیا کی کوئی زبان اس سے خالی نہیں۔

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مفہوم ایک زمانے میں تو واضح ہوتا ہے لیکن دوسرے زمانے میں وہ غریب نظر آتا ہے۔ محدثین نے غریب الحدیث کے ضمن میں جو الفاظ جمع کیے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق اسی سے ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال کم ہو گیا اس وجہ سے وہ بعد والوں کو غریب نظر آنے لگے۔

اس کے علاوہ ماہرین لغت نے غرابت کے کچھ اور اسباب بھی بیان کیے ہیں جنہیں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ داخلی اسباب

۲۔ خارجی اسباب

غریب الحدیث کے داخلی اسباب

غرابت حدیث کے داخلی اسباب کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ مشترک

کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معانی پائے جائیں تو ماہرین لغت کی اصطلاح میں یہ لفظ "مشترک" کہلاتا ہے۔ مشترک کا استعمال انسانی کلام کا خاصہ ہے، ماہرین لغت کی نظر میں مشترک کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک لفظ کا متعدد معانی میں استعمال اس زبان کے بولنے والوں کے لیے بہت سی راہیں کھولتا ہے اور وہ حسب ضرورت اس کا استعمال کر سکتے ہیں، اس سے زبان کو ترقی ملتی ہے اور یہ دنیا کی ہر زبان میں ہوتا ہے۔

غریب الحدیث میں مشترک کی مثال

حدیث میں آتا ہے "لیس منا من لم یتغن بالقرآن" یعنی جو آدمی قرآن کو اچھی آواز میں نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس حدیث میں لفظ تغنی مشترک ہونے کی وجہ سے اہل لغت اور اہل فقہ وحدیث میں محل بحث ہے کیونکہ اس میں ایک سے زیادہ معانی پائے جاتے ہیں۔

فقہاء میں امام شافعی اور ان کے بعد محدثین میں امام خطابی کے نزدیک تغنی بالقرآن کا مفہوم یہ ہی ہے کہ انسان جس قدر ممکن ہو اپنی آواز کو خوبصورت بنا کر قرآن پڑھے۔ لیکن اہل لغت اور ائمہ غریب الحدیث میں سے ابو عبید قاسم بن سلام کی رائے یہ ہے کہ یہاں تغنی بالقرآن سے مراد قرآن کے ذریعے استغناء یعنی قناعت حاصل کرنا ہے نہ کہ غناء (گانے جیسی سریلی آواز)۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن نہیک روایت کرتے ہیں کی میں ایک دفعہ حضرت سعد کے پاس گیا تو ان کے پاس پرانا گھریلو سامان دیکھا جس سے ان کی غربت ظاہر ہو رہی تھی۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ میں ان کی غربت پر ترس کھا رہا ہوں تو انہوں نے مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی " لیس منا من لم یتغن بالقرآن" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کے ذریعے قناعت حاصل نہ کرے۔ اس کی وضاحت وہ ایک اور حدیث سے بھی کرتے ہیں " جس نے سورۃ آل

عمران پڑھی وہ غنی ہو گیا" یہاں غنی سے مراد استغناء اور قناعت ہے اسی طرح پہلی حدیث میں بھی تغنی سے مراد قرآن کی تلاوت کے ذریعے استغناء یعنی قناعت حاصل کرنا ہے۔ درحقیقت یہ دونوں معنی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں کیونکہ یہ لفظ مشترک ہے اور اس میں یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں اور یہ ایک دوسرے کے مخالف بھی نہیں اس لیے یہ ہو سکتا ہے کی قرآن کو خوبصورت آواز بنا کے بھی پڑھا جائے اور اس کے ذریعے قناعت بھی حاصل کی جائے۔

۲۔ لہجوں کا اختلاف

امام خطابی فرماتے ہیں کہ لہجوں کا مختلف ہونا بھی غرابت کا ایک سبب ہے اور اس سے مراد ایسے شخص کا لہجہ ہے جو بہت دور کا رہنے والا ہو اور ایسا لفظ استعمال کرتا ہو جو مخاطبین کے لیے دوری کی وجہ سے غیر معروف ہو۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے تو آپ عرب دنیا سے آنے والے مختلف افراد سے گفتگو فرماتے تھے اور ان سے گفتگو کے دوران آپ ان کے لہجے اور ثقافت کا لحاظ فرماتے تھے جیسا کہ طہفہ بن ابی زبیر نہدی کا واقعہ پیچھے گذر چکا ہے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ اکثر بدو حضرات سے ان کے معیار کے مطابق ان کے لہجوں میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح معاشرے کے دیگر مختلف طبقات سے گفتگو میں ان کا مرتبہ و منزلت اور ثقافت ہمیشہ آپ کے پیش نظر ہوتی تھی۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک رئیس قبیلہ اور ایک بدو کی ثقافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اس حوالے سے خود آپ ﷺ کا اپنا فرمان بھی موجود ہے "کلموالناس علی قدر عقولھم" یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں (علم و ثقافت) کو سامنے رکھ کر گفتگو کیا کرو۔

اگر ایسا نہ کیا جائے تو لوگ بات سمجھ نہیں پاتے۔ اگر ان کے معیار سے کم ہو تو مذاق اڑاتے ہیں اور معیار سے بلند ہو تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر گفتگو کرنے کی وجہ سے غریب الفاظ کا وجود میں آنا یقینی بات تھی۔

آپ ﷺ کے سامنے ان مختلف قبائل کے لہجوں کو استعمال کرنے کی دو وجوہات تھیں:

۱۔ بعض اوقات وہ لوگ قریشی لہجے کو اچھی طرح سمجھتے ہی نہیں تھے جیسے بدو وغیرہ جو باہر سے آتے تھے اور دین کی بات انہیں سمجھانا ضروری تھا۔

۲۔ کچھ لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا لہجہ استعمال فرماتے تھے تو یہ ان کی خوشی اور تالیف قلب کا باعث ہوتا تھا۔

اختلاف لہجہ کی وجہ سے غریب الحدیث کی مثال

"و فی البیت سھوۃ" گھر میں ایک سہوہ یعنی چھوٹا سا گھر بھی ہے، اہل یمن کی زبان میں چھوٹے گھر کو سہوہ کہتے تھے۔ اسی طرح "و فی الرکاز الخمس" یعنی معدنیات میں خمس دیا جائے، اس میں "رکاز" عراقی لہجہ ہے وہ چھپی ہوئی چیزوں پر یہ لفظ بولتے تھے اور معدنیات بھی چھپی ہوئی ہوتی ہیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے رکاز کا لفظ استعمال فرمانا عراقی لہجے کا استعمال ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص قبیلے کے لیے نبی نہیں بنائے گئے تھے بلکہ سب کے لیے نبی تھے۔

۳۔ الفاظ معربہ

الفاظ معربہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کی اصل کسی غیر عربی زبان سے ہو لیکن عربوں نے ان الفاظ کو اپنے استعمال کے ذریعے اپنا لیا ہو۔ لیکن تعریب کے لیے شرط یہ ہے کہ عربوں نے ان الفاظ کو اپنے طریقے کے

مطابق ڈھال لیا ہو۔اب ایسے اکثر الفاظ جن کا تعلق دوسری زبانوں سے ہے عربی اوزان کے مطابق ڈھل چکے ہیں۔

عربی زبان ایک زندہ زبان ہے اور دوسری زبانوں سے الفاظ لینا ہر زندہ زبان کی صفت ہے اس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص علاقے، قوم یا وقت کے لیے نبی نہیں ہیں بلکہ آپ کی نبوت عام ہے اور آپ سب کے نبی ہیں تو جیسے آپ نے مختلف حکمتوں کے تحت عربی کے مختلف لہجوں کا استعمال فرمایا اسی طرح آپ نے ایسے الفاظ بھی استعمال فرمائے جو عربوں کے زیر استعمال تھے لیکن وہ اپنی اصل کے اعتبار سے غیر عربی الفاظ ہیں۔

لفظ معرب کی وجہ سے غریب الحدیث کی مثال

حدیث میں آتا ہے " یؤتی بابن آدم یوم القیامة کانه بذج من الذل " قیامت کے دن ابن آدم کو جب حاضر کیا جائے گا تو شرمساری اور ذلت سے بکری کے بچے کی طرح (سکڑا ہوا) ہوگا، علمائے لغت کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ''بذج'' بھی فارسی سے عربی میں داخل ہوا ہے اور پھر عربی بن گیا، لیکن اس کی اصل فارسی ہے۔

۴۔ مجازی استعمال

بعض اوقات الفاظ کا مجازی استعمال بھی اس میں غرابت پیدا کر دیتا ہے۔مجازی معنی چونکہ حقیقی نہیں ہوتا اس لیے اس تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔الفاظ کا سادہ استعمال تو ہر شخص جانتا ہے لیکن یہ ادباء اور فصحاء کا کام ہے کہ وہ ان الفاظ کے استعمال سے ایک سے بڑھ کر ایک شاندار عبارتیں بنا لیتے ہیں اور خطباء انہی الفاظ سے لوگوں پر گویا جادو کر دیتے ہیں ،جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان من البیان لسحرا" یعنی بیشک بعض بیان (تقریر) جادو جیسا اثر رکھتے ہیں۔

مجازی استعمال کی مثال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مات حتف انفه " یعنی طبعی موت مر گیا۔ابو عبیدہ کا کہنا ہے کہ جس

نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا اس نے یہ ہی کہا کہ ہم نے ایسی بلیغ عبارت اس سے پہلے نہیں سنی۔ یہاں اس کا لفظی اور حقیقی معنی تو یہ بنے گا کہ وہ اپنے ناک کی موت سے مر گیا لیکن یہاں مجازاً اس سے طبعی مراد ہے یعنی جو شخص غیر طبعی طریقے جیسے قتل وغیرہ سے نہ مرے بلکہ طبعی موت مرے۔

غریب الحدیث کے خارجی اسباب

یہاں خارجی اسباب سے مراد وہ اسباب ہیں جو الفاظ کے اندر ''نہیں'' ہوتے لیکن وہ الفاظ کو غرابت کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ اسباب اجتماعی بھی ہوتے ہیں اور تاریخی بھی۔ ان اسباب میں ایک اہم ترین سبب دین اسلام کا عربی زبان پر اثر ہے، دین اسلام نے عربی زبان پر دو طرح اثر ڈالا۔

ا۔ الفاظ کو نئے معانی عطا کرنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے اسلامی معاشرے کی بنیاد ڈالی تو ضروری تھا کہ لوگوں کے افکار بھی تبدیل کریں تاکہ معاشرہ ان افکار کی روشنی میں ترقی کی منازل طے کر سکے۔ چنانچہ ﷺ آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ان کے پرانے الفاظ کے نئے معانی بتائے جو انہوں نے برضا و رغبت قبول کر لیے اور یہ جدید معانی قدیم معانی کی جگہ لوگوں میں رواج پا گئے۔

مثال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے افضل آدمی کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: "کل مخموم القلب، صدوق اللسان " ہر دل کا صاف اور زبان کا سچا شخص۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صدوق اللسان کو تو ہم جانتے ہیں لیکن مخموم القلب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "هو التقی النقی الذی لا غل فیه ولا حسد" وہ نیک اور صاف دل والا جس کے دل میں کسی کے لیے کوئی کینہ اور حسد نہ ہو۔ ابو عبیدہ کا کہنا ہے کہ لفظ کی تفسیر خود حدیث میں موجود ہے اور وہ نیا معنی ہے۔ اب چونکہ اکثر لوگ حدیث کے سیاق و سباق سے واقف نہیں ہوتے۔ اس لیے ان کے لیے یہ لفظ غریب ہو جاتا ہے۔

۲۔ الفاظ کو لغوی معانی سے شرعی معانی کی طرف منتقل کرنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے ایسے الفاظ امت کو عطا کیے جن کا لغوی معنی اب بہت کم لوگ جانتے ہیں بلکہ وہ الفاظ اب غیر مسلموں میں بھی اپنے اصطلاحی معنوں میں ہی جانے جاتے ہیں جیسے الوضوء، الاذان، الصلاۃ، الزکاۃ، الصیام وغیرہ۔

اسی طرح الایمان، النفاق اور الکفر جیسی اصطلاحات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر نہ کرنے والے کو "کافر" کہتے تھے اور آج مسلمان اسے جس معنی میں استعمال کرتے ہیں اس معنی میں استعمال کسی کو بھی معلوم نہیں تھا، اسی طرح "وضوء" کے لفظ سے مراد ہاتھ دھونا لیا جاتا تھا مگر آج مسلمانوں کی خاص اصطلاح ہے جس سے مراد اعضاء کو مخصوص طریقے سے دھونا ہے۔ اسی طرح "الصلاۃ" دعا کے معنی میں مستعمل تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصطلاحی معنی رائج فرمائے اور خاص طریقہ بھی بتایا۔ اسی طرح "اذان" کسی خبر کو عام کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا خاص طریقہ اور کلمات امت کو دیے۔ اسی طرح "زکوٰۃ" طہارت وصفائی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مال کی صفائی کے ساتھ خاص کر دیا۔

۳۔ جاہلی الفاظ کا خاتمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کی ترویج کے لیے اس امر کا بھی اہتمام فرمایا کہ جاہلی الفاظ استعمال نہ کیے جائیں تاکہ معاشرے میں اچھے مفاہیم پروان چڑھیں۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ایسے الفاظ استعمال نہ کریں جو یہودی کرتے ہیں کیونکہ ان سے غلط معنی نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا] اے ایمان والوں تم "راعنا" نہ کہو بلکہ "انظرنا" کہا کرو۔ کیونکہ راعنا کو راعینا کہنے سے اس کے معنی بنتے تھے ہمارے چرواہے جو کہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص لے لیے کہتے تھے۔

جس طرح مسلمانوں نے اس لفظ کو چھوڑ دیا اسی طرح انہوں نے بہت سے جاہلی الفاظ کا استعمال ترک کر دیا آپ نے بے شمار جاہلی عادات سے بھی منع فرمایا، یہ الفاظ احادیث رسول میں تو موجود ہیں جیسے : الھامۃ، الصفر، ذبائح الجن، الانواء وغیرہ۔ مگر ان کلمات کے معانی رفتہ رفتہ مسلمانوں کے قلوب واذہان سے دور ہوتے چلے گئے اور بالآخر یہ الفاظ ان کے لیے غریب ہو کر غرابت میں داخل ہو گئے، حالانکہ جاہلی معاشرے میں یہ الفاظ غریب شمار نہیں ہوتے تھے۔

۴۔ زبان کی تبدیلی

عربی زبان کی تبدیلی نے بھی بہت سے الفاظ کو غریب بنا دیا کیونکہ نئے نئے الفاظ آتے گئے اور لوگ پرانے الفاظ چھوڑتے گئے یہ ہی وجہ ہے کہ آج حدیث میں وارد بہت سے الفاظ کے معانی صرف محدثین واہل علم ہی جانتے ہیں۔ جبکہ دوسرے لوگوں کے لیے یہ الفاظ غرابت میں داخل ہیں جیسے "صاع"، "مثقال"، "اوقیہ" وغیرہ مختلف پیمانوں کے نام جو اس وقت وزن اور پیمائش وغیرہ کے لیے عام مستعمل تھے لیکن اب ان کا رواج نہیں رہا اور ان کی جگہ پیمائش اور وزن وغیرہ کے لیے دوسرے پیمانے آگئے ہیں۔

6.3- علماء وکتب غریب الحدیث

علم غریب الحدیث بہت اہم علم ہے کیونکہ اس میں حدیث میں وارد شدہ مشکل، مبہم اور پیچیدہ الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ علمائے سلف اس کا بہت اہتمام کرتے تھے اور اس کی قدر ومنزلت سے پوری طرح واقف تھے۔

امام احمد بن حنبل سے ایک مرتبہ کچھ الفاظ وکلمات کی وضاحت پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا اس بارے میں غریب الحدیث کے ماہرین سے رجوع کرنا چاہیے، میں نہیں چاہتا کہ اپنی طرف سے متن حدیث کے الفاظ کی تشریح کروں۔

امام احمد کے بارے میں امام خلال کی روایت ہے کہ آپ ابو عبید قاسم بن سلام کے پاس " غریب الحدیث " کے بارے میں جاننے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

علمائے حدیث نے اس فن کی اہمیت کے پیش نظر دور تدوین و تصنیف کا آغاز ہوتے ہی اس پر قلم اٹھایا، دوسری صدی ہجری کے آخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں اس فن نے ایک مستقل شکل اختیار کرلی، سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن المثنی (م ۲۱۰ھ) نے غریب الحدیث کے موضوع پر کتاب تیار کی، پھر ابو عدنان السلمی اور عبدالرحمن بن عبد الاعلی نے علم غریب الحدیث پر قلم اٹھایا،اس دور میں نضر بن شمیل (م ۲۰۳ھ)اور محمد بن المستنیر قطرب (م ۲۰۶ھ) نے بھی غریب الحدیث کے بارے میں کتابیں لکھیں۔قطرب کی کتاب کا نام "غریب الآثار" ہے۔ابو عمرو الشیبانی اور اسحاق بن خزار (م ۲۱۰ھ) نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے۔اس دور میں ابو زید الانصاری، سعید بن اوس بن ثابت (م ۲۱۷ھ) عبد الملک بن قریب الاصمعی (م ۲۱۶ھ)، حسن بن محبوب السراء اور امام ابو عبید قاسم بن سلام نے بھی اس فن کی طرف توجہ دی۔امام ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب اس موضوع پر سب سے جامع اور مفصل کتاب ہے،،امام اصمعی اور علامہ ابن قتیبہ دینوری نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا جن کے کام کو علامہ خطابی نے آکر یکجا کر دیا۔

چوتھی صدی ہجری میں امام ابو عبید احمد بن محمد الہروی (م ۴۰۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب "الغریبین" کے نام سے مرتب کر دی،اس کتاب میں آپ نے قرآن مجید اور حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ و کلمات کو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق جمع کر دیا اور ان کی تشریح و توضیح کر دی،اس کے بعد آپ نے ابو عبید قاسم بن سلام اور امام ابن قتیبہ دینوری کی کتابوں کو جمع کر دیا اور اس پر مزید اضافے بھی کر دیے،اس کتاب کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ علم حدیث کے ہر مرکز اور حلقے تک اس کے نسخے پہنچ گئے اور علماء نے اس کو ایک اہم ماخذ کے طور پر تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد جب علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ) کا دور آیا تو آپ نے اپنے فطری ذوق

اور مناسبت کی وجہ سے اس فن کی طرف توجہ دی اور بہت عمدہ کتاب "الفائق فی غریب الحدیث" کے نام سے مرتب کر دی، اس کتاب کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ یہ اسم بامسمی یعنی اپنے نام کی طرح فائق اور اعلی ہے، کتاب کی ترتیب اور کلمات کا انتخاب بہت مفید ہے۔

اس کے بعد حافظ ابو موسی محمد بن ابو بکر المدینی الاصفہانی (م ۵۸۱ھ) کا دور آیا۔ آپ نے امام ابوعبید الہروی کی کتاب "الغریبین" کا تجزیہ کیا اور اس کے بعد "المغیث فی غریب القرآن والحدیث" کے نام سے کتاب مرتب کی، اس کتاب میں آپ نے ان الفاظ و کلمات کا اضافہ کیا جو امام ہروی سے رہ گئے تھے، کتاب کی ترتیب بہت اچھی ہے۔ لیکن اپنی تمام تر محنت اور کاوش کے باجود اپنی کتاب کے بارے میں کہتے ہیں: یہ بات ذہن میں رہے کہ عربی زبان بہت وسیع اور کثیر الجہات ہے، اس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے اس لیے تمام تر کوشش کے باوجود بہت سے الفاظ ایسے ہوں گے جو میرے علم میں نہیں آسکے اور اس کتاب میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔

پھر چونکہ یہ کتاب دراصل دو کتابوں غریب القرآن اور غریب الحدیث پر مشتمل تھی اس لیے اس سے استفادہ کرنے میں دشواری پیش آتی تھی، اس لیے حافظ ابن اثیر نے اس کے دونوں حصوں یعنی غریب القرآن اور غریب الحدیث کو الگ الگ کر دیا، اور اس میں بھرپور اضافے کرنے کے بعد اس کی ترتیب کو بھی اور بہتر کر دیا تاکہ اس سے استفادہ کرنے والے کو کوئی دقت نہ ہو، اپنی کتاب "النهاية فی غريب الحديث" کے بارے میں کہتے ہیں کہ "وہ تمام غریب کلمات جن کا تعلق احادیث وآثار سے ہے میں نے ان کو بار بار تلاش کیا اور ان کی تشریح وتوضیح میں بھرپور محنت کی اور میں امام خطابی اور ابو موسی کے اس قول کو دہرانا چاہتا ہوں کہ "جہاں تک ممکن ہو سکا میں نے احادیث رسول میں سے ان کلمات کو جمع کیا جو "غریب" کے زمرے میں آتے ہیں"۔

دسویں صدی ہجری میں برصغیر کے کئی علماء نے علم حدیث پر مختلف حوالوں سے کام کرنا شروع کر دیا ان حضرات میں جس شخصیت کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ علامہ علی متقی الہندی (م ۹۷۵ھ) ہیں۔

آپ نے "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال " کے نام سے بہت ہی جامع، وقیع اور مفید کام کیا، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے شیوخ پیدا ہوے جنہوں نے اپنے شیخ کے نقش قدم پر چلتے ہوے علم حدیث کی آبیاری کی انہیں میں سے ایک شیخ محمد طاہر پٹنی نے جہاں اور بہت سی تالیفات کیں وہاں غریب الحدیث پر ایک بہت بلند پایہ کتاب لکھی اور اس کتاب کا نام "مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار " رکھا۔ یہ ایسی کتاب ہے جو ابن اثیر کی "النہایۃ" کے بعد اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت اور افادیت کی حامل ہے۔

گذشتہ سطور میں علم غریب الحدیث سے متعلق اہم کتب اور علماء کا اجمالی تذکرہ ہوا، اب ہم غریب الحدیث سے متعلق چند اہم مصنفین اور ان کی کتابوں کا تعارف پڑھیں گے:

۱۔ غریب الحدیث لابی عبید (م ۲۲۴ھ)

ابو عبید قاسم بن سلام لغت کے امام مانے جاتے ہیں، اس کے علاوہ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے عالم بھی تھے۔ مختلف فنون میں 20 سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اسحاق بن راہویہ کہتے تھے: ابو عبید مجھ سے بہت بڑے فقیہ اور عالم ہیں۔ امام احمد بن حنبل آپ کو استاد کہتے تھے۔ اور ہلال بن علاء الرقی کہتے ہیں: چار انسانوں کو پیدا کر کے اللہ نے اس زمانے کے لوگوں پر احسان کیا ان میں سے ایک ابو عبید ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو لوگ غلطیوں کے نیچے دبے رہتے۔

آپ نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں کسی خاص ترتیب کا خیال نہیں رکھا، کتاب کا ایک بڑا حصہ تو اس طرح ہے کہ بس حدیث نقل کرتے ہیں اور اس میں موجود غریب لفظ کی تفصیلی تشریح کرتے ہیں۔ ابتداء میں بلا کسی ترتیب کے روایات نقل کرتے ہیں، یہ طرز کتاب کے اکثر حصے میں نمایاں ہے، تیسری جلد میں صفحہ 208 کے بعد مسند کے طرز پر احادیث نقل کرتے ہیں، اور تیسری جلد کے آخر تک خلفاء راشدین کی روایات نقل کرتے ہیں۔

چوتھی جلد کا آغاز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور دیگر چار اشخاص جو عشرہ مبشرہ

میں سے ہیں، کی روایات نقل کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی للہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی للہ عنہ وغیرہ کی روایات اور پھر بالترتیب صحابیات اور تابعین کی روایات نقل کرتے ہیں، کتاب کی آخری روایات کے راوی نامعلوم ہیں۔

اس کتاب کے بارے میں علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''فصار كتابه إماما لأهل الحديث، به يتذاكرون، وإليه يتحاكمون'' آپ کی یہ کتاب محدثین کے لیے امام کا درجہ اختیار کر گئی جس کا وہ آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور مشکل مسائل میں فیصلے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔

بعد کے علماء لغت اور حدیث نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا، مثلاً ازہری نے تہذیب میں، قزوینی نے مقاییس میں، ابن سیدہ نے مخصص میں، اسی طرح امام بخاری، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی آپ کی توضیحات نقل کی ہیں۔

۲۔ غریب الحدیث للحربی (م ۲۸۵ھ)

شیخ، امام، حافظ، علامہ، شیخ الاسلام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر البغدادی الحربی سن 198 ہجری میں پیدا ہوئے۔ قاضی محمد بن صالح کہتے ہیں: بغداد میں ادب، فقہ، حدیث اور زہد میں آپ کی مثل ہم نہیں جانتے۔ خلیفہ معتضد باللہ نے آپ کو دو مرتبہ ہزاروں ک ہزار دینار بھیجے، دونوں دفعہ آپ نے واپس کئے۔ ابوالعباس ثعلب کہتے ہیں: پچھلے پچاس سالوں سے میں نے فقہ اور نحو کی ایک بھی مجلس ایسی نہیں دیکھی جس میں آپ موجود نہ ہوں۔ آپ کو وراثت میں بیس سے زائد گھر اور باغات ملے تھے، فرماتے ہیں وہ سب میں نے حصول علم کی نذر کر دیے، امام دارقطنی فرماتے ہیں: ابراہیم حربی ہر فن مولا تھے۔ آپ بغداد میں سن 285 ہجری میں وفات پائے۔

ابواسحاق ابراہیم الحربی نے روایات کو دو طریقوں پر جمع کیا، ایک محدثین کے مناہج میں سے مسانید اور

دوسرا اہل لغت کے مناہج میں سے منہج تقلیبی پر یعنی پہلے ایک لفظ کو حروف کی ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کرنا اور پھر اس کے بالکل الٹ ذکر کرنا جیسے پہلے "عق" اور پھر "قع" کو ذکر کرنا۔ گویا آپ مسانید کے تحت الفاظ کو تقلیباً ذکر کرتے ہیں، مثلاً آپ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایتیں نقل کرتے ہیں، تو سب سے پہلے وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس میں حل طلب لفظ عق، قع سے شروع ہوتے ہیں، اس کے لئے مسند ابن عباس کے نیچے باب عق اور باب قع رکھتے ہیں۔ باب عق کے نیچے وہ روایتیں نقل کرتے ہیں جن میں عقیقہ، عقیق، عقوق الوالدین، فرساعقوقا، یعق، عقق، عقعق وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔

مزید یہ کہ آپ مسانید کے تحت الحدیث الاول، الحدیث الثانی... کے نام سے عنوان رکھتے ہیں، مگر اس سے اشارہ احادیث کے ایک مجموعے کی طرف ہوتا ہے، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ یہ ایک حدیث ہے۔ کبھی آپ اس عنوان کے تحت درجنوں حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں۔ آپ کی کتاب کی ضخامت اس لئے زیادہ ہے کہ آپ پوری سند بھی نقل کرتے ہیں اور پورا متن بھی، چاہے حدیث کتنی طویل ہو اور چاہے اس میں ایک ہی غریب لفظ کیوں نہ ہو۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی طوالت کی وجہ سے لوگوں نے اسے نظرانداز کیا، باوجودیکہ یہ انتہائی مفید کتاب ہے، اور ابراہیم حربی خود بھی امام، حافظ، صاحب فضل وکمال، فقیہ، محدث، ماہر لغت اور ادیب تھے۔

یہ کتاب معجم معانی کی بھی ایک مثال ہے، آپ کبھی مترادفات اور متراکبات ذکر کرتے ہیں، کبھی کسی چیز کے مختلف نام مثلا نیزہ، تلوار کے مختلف نام، اشربہ، انسان سے متعلق اشیاء کے مختلف نام، زمانوں کے نام، شراب کے نام، عربی میں زوجہ کے معنی میں مستعمل الفاظ وغیرہ ذکر کرتے ہیں۔ کبھی یوں کہتے ہیں مثلاً وہ الفاظ جو حسبک کے معنی میں ہیں اور اس کے بعد ان الفاظ کو ذکر کرتے ہیں۔

آپ تصحیفات بھی الفاظ کے استعمال اور کتابت میں ہونے والی اغلاط کی نشاندہی بھی بڑے اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ کبھی مسلسل چند احادیث، صحابہ وتابعین کے آثار ذکر کرتے ہیں، پھر الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں، اس طرح کبھی کبھی روایت اور لفظ کی توضیح کے درمیان کئی صفحات کا فاصلہ ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب کا

کافی حصہ مفقود ہے، ہم تک اس کے مسانید کا جو حصہ پہنچا ہے وہ بھی ادھورا ہے، کیونکہ اس کا آغاز مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ کے تحت بقیۃ الحدیث التاسع والثلاثون سے ہوتا ہے۔

۳۔ غریب الحدیث للخطابی (م۳۸۸ھ)

یہ ابو عبید اور ابن قتیبہ پر استدراک ہے، یعنی جو الفاظ انہوں نے ذکر نہیں کئے انہی الفاظ کی وضاحت آپ نے اس کتاب میں کی ہے۔ آپ نے بڑا قیمتی مقدمہ لکھا، اس کے بعد بالترتیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، پھر صحابہ اور پھر تابعین کی روایات نقل کرکے غریب الفاظ کی وضاحت کی ہے، ان کے علاوہ آخر میں وہ روایات نقل کی ہیں، جن کی سند مذکور نہیں، آپ معنی کی تائید میں دوسری حدیث، آیت یا کوئی شعر پیش کرتے ہیں، پھر کچھ مرویات کے الفاظ کی اصلاح کرتے ہیں جو لوگوں میں غلط مشہور ہیں۔

آپ کی اس کتاب کو علامہ ابن الاثیر نے "غریب الحدیث" کی تین امہات الکتب میں شمار کیا ہے۔ آپ اسانید ذکر کرتے ہیں، اور متعلقہ لفظ کی اصل ذکر کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں، کبھی کبھار آپ کسی لفظ کی تشریح کے لئے نہیں بلکہ کسی اشکال کی وجہ سے حدیث کو محض معنیٰ کی تشریح کے لئے نقل کرتے ہیں۔ نیز آپ بعض احادیث سے استنباطات بھی کرتے ہیں۔ مثلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "أما معاوية فإنه رجل عائل" نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

''وفي الحديث أنواع من الفقه منها إباحة تأديب النساء ولو كان غير جائز لم يذكر ذلك من فعله إلا مقرونا بالنهي عنه والإنكار له ومنها أن المال معتبر في باب المكافأة وفيه دلالة على أنه إذا لم يجد نفقة أهله وطلبت فراقة فرق بينهما..... وفيه من الفقه جواز نكاح المولى القرشية..... وفيه أيضا من الفقه جواز ذكر ما في الإنسان من عيب إذا لم يقصد به المذمة له وأن ذلك ليس من باب الغيبة.وفيه أيضا من الفقه أن للمبتوتة السكنى۔''

اس حدیث میں ہمیں کئی فقہی مسائل ملتے ہیں: پہلا یہ کہ عورتوں کی تادیب عمل گناہ نہیں، ورنہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کرتے وقت اس عمل سے منع فرماتے یا نکیر کرتے۔ دوسرا یہ کہ مکافات میں مال کا اعتبار ہے۔ تیسرا یہ کہ اگر شوہر کے پاس نفقہ نہیں اور بیوی علیحد گی چاہتی ہے، تو علیحد گی اس کا حق ہے...چوتھا یہ کہ آزاد کردہ غلام کا ایک قریشی عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے.... پانچواں یہ کہ اگر مذمت مقصود نہ ہو تو انسان کا عیب بیان کیا جاسکتا ہے۔ چھٹا یہ کہ سکنی طلاق یافتہ عورت کا حق ہے۔

۴۔ الغریبین للھروی (م ۴۰۱ھ)

ابو عبید احمد بن محمد بن محمد بن عبد الرحمان العبدی الہروی کو ہرات کے گاؤں فاشان کی نسبت سے فاشانی بھی کہا جاتا ہے، مسلکاً شافعی تھے، آپ لغت کے ماہر اور ادیب تھے۔ سنہ 401ھ میں وفات پائی۔ لغت آپ نے ازہری سے سیکھی۔ آپ نے اس فن میں پچھلے علماء کے مقابلے میں نسبتاً ایک نیا منہج اختیار کیا ہے کہ جس کی تفصیل یہ ہے کہ :

اولاً یہ کسی کتاب کا استدراک نہیں تھا بلکہ پچھلی تحریرات کا ایک مجموعہ ہے۔

ثانیاً اس میں حدیث کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ قرآن کے غرائب بھی زیر بحث لائے گئے آپ کسی مادہ کے تحت پہلے متعلقہ آیات اور پھر احادیث و آثار نقل کرتے ہیں۔

ثالثاً یہ کتاب معجم کی آسان ترین طرز پر لکھی گئی، ابن الاثیر رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہی بنی۔ یعنی (الف- بائی) ترتیب کے ساتھ الفاظ جمع کئے ہیں، دستیاب کتب میں سے اس طرز پر لکھی گئی یہ پہلی کتاب ہے، یاقوت کے مطابق شمر بن حمدویہ کی کتاب الجیم بھی اسی الفبائی ترتیب مدون تھی، ابتداء جیم سے کی تھی۔

رابعاً آپ نے انتہائی اختصار سے کام لیا۔ اس کے لئے آپ نے ایک تو یہ کیا کہ حدیث کی سند کو ترک کیا دوسرا یہ کہ حدیث کی پوری عبارت نقل نہیں کی بلکہ صرف متعلقہ لفظ یا جملہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا اور تیسرا یہ کہ آپ نے معنی کی تائید کے لئے شواہد نقل نہیں کئے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ثم جمع أبو عبيد الهروى

صاحب الغريبين كتابا أوهم فيه أنه لم يبق شيء وإنما اقتصر على ما ذكره الأزهري في كتاب التهذيب ورأيته قد أخل بأشياء وذكر أشياء ليست بغريبة فلا تحتاج إلى تفسير"

پھر ابو عبید ہروی نے الغریبین لکھی، اور یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ جامع ہے حالانکہ آپ نے صرف ازہری کی التھذیب کے مواد پر اکتفاء کیا۔ اس کے علاوہ میں نے دیکھا کہ آپ نے کافی خلا چھوڑا اور کئی ایسے الفاظ ذکر کئے جو مشکل نہیں تھے اس لئے ان کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

مگر اس کو صرف تھذیب اللغۃ کی روایات کا مجموعہ قرار دینا ٹھیک نہیں ہے، الفاظ کے تقابل کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے سب سے زیادہ استفادہ ازہری سے کیا مگر آپ کے اضافوں کو نظر انداز کرنا زیادتی ہو گی۔ آپ کی کتاب میں کافی اغلاط و تصحیفات بھی ہیں، جن کی نشاندہی کے لئے ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی (متوفی ۵۵۰) نے التنبیه علی الالفاظ فی الغریبین نامی مستقل کتاب تحریر کی، جس میں الغریبین کی لگ بھگ 78 تصحیفات جمع کیں۔

۵۔ مجمع بحار الانوار علامہ محمد طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ)

مجمع بحار الانوار محمد بن طاہر بن علی صدیقی پٹنی کی تصنیف ہے۔ آپ سن ۹۱۳ ہجری بمطابق ۱۵۰۴ عیسوی میں انڈیا کے صوبہ گجرات کے قصبہ پٹنہ میں پیدا ہوئے، اسی کی نسبت سے آپ کو پٹنی کہا جاتا ہے۔ زمخشری اور ابن الاثیر رحمہما اللہ کی طرح پٹنی رحمہ اللہ نے بھی کتاب کی ترتیب میں انتہائی سہل یعنی ہجائی طرز اختیار ہے۔ حدیث کا متعلقہ حصہ نقل کرنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اور اگر ایک روایت میں ایک سے زائد الفاظ محتاج تفسیر ہیں، تو وہ متعلقہ مادہ کے تحت درج کرتے ہیں، لیکن آپ حدیث کے کم سے کم الفاظ نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجمع بحار الانوار کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں غرائب القرآن کی بھی ضمنا وضاحت کی گئی ہے، غریب القرآن کے لئے آپ نے عام طور پر الغریبین کو مصدر بنایا ہے، تاہم دیگر کتب مثلاً الکواکب الدراری، ارشاد

الساری وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے، غریب الحدیث میں سب سے زیادہ آپ نے النہایہ سے استفادہ کیا ہے، جس کی وجہ اس کی جامعیت ہے۔ ایک لفظ اگر مختلف ابواب سے مستعمل ہے، تو ہر استعمال کا معنی الگ ہوتا ہے، حدیث کی وضاحت کرنے کے بعد کبھی مصنف الگ سے وضاحت کرتے ہیں کہ یہ کس باب سے کس معنی میں مستعمل ہے۔

بقدرِ ضرورت لفظ کی وضاحت کے بعد حدیث کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ مصنف تکرار نہیں کرتے، اور ایک لفظ کی تشریح کو بار بار ذکر کرنے کی بجائے طوالت سے بچنے کے لئے دوسرے مقام کا حوالہ دیتے ہیں، جہاں آپ اس لفظ کی وضاحت کر چکے ہیں۔

خود آزمائی

سوال نمبر ا۔ غریب الحدیث کا معنی و مفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ غریب الحدیث کے اسباب تفصیل کے ساتھ تحریر کریں۔

سوال نمبر ۳۔ غریب الحدیث کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں اور ان کے مصنفین پر ایک مضمون لکھیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمرو عبد المنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624، ایم اے، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبد الرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبد الرؤوف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

یونٹ نمبر ⑦

ناسخ و منسوخ فی الحدیث

تالیف: ابتسام الرحمان

نظر ثانی: ڈاکٹر محمد شاہد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات !اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع "ناسخ و منسوخ فی الحدیث" سے ہے،ناسخ و منسوخ فی الحدیث علوم الحدیث میں اہم مقام رکھتا ہے اس لیے کہ اس کے بغیر بہت سی احادیث کا صحیح معنی و مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔اس یونٹ میں ہم ناسخ و منسوخ فی الحدیث کا معنی و مفہوم،ناسخ و منسوخ فی الحدیث کی ضرورت و اہمیت،ناسخ و منسوخ فی الحدیث کی معرفت کے طریقے اور ناسخ و منسوخ فی الحدیث کے موضوع پر لکھی گئی کتب اور ان کے مصنفین کا تعارف پڑھیں گے۔اس یونٹ میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بنیادی مواد جمع کیا گیا۔آپ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں، امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈال سکیں۔
2۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث کی ضرورت و اہمیت کو واضح کر سکیں۔
3۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث کی معرفت کے طریقے بیان کر سکیں۔
4۔ ناسخ و منسوخ کے موضوع پر لکھی گئی اہم کتابوں اور ان کے مصنفین کے بارے میں بتا سکیں۔

7۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث

7.1- ناسخ و منسوخ فی الحدیث کا معنی و مفہوم

نسخ کی لغوی تعریف

۱۔ نسخ کا ایک لغوی معنی ہے "ابطال" یعنی زائل کرنا اور مٹانا جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے "نسخت الشمس الظل" یعنی سورج نے سایے کو زائل کردیا یا مٹادیا، اسی طرح" نسخ الشیب الشاب" کا معنی ہے: بڑھاپے نے جوانی کو زائل کردیا۔ اور "نسخت الریح الآثار" کا مطلب ہے ہوا نے قدموں کے نشانات مٹادیے۔ یہ لفظ اس معنی میں قرآن مجید کی اس آیت میں بھی استعمال ہوا ہے [فینسخ اللہ مایلقی الشیطان] یعنی شیطان جو الٹا کرتا ہے اللہ اسے مٹادیتا ہے۔

۲۔ نسخ کا ایک لغوی معنی "نقل کرنا" اور "بعینہ منتقل کرنا" یا "لکھنا" بھی ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے: "نسخت الکتاب" میں نے کتاب نقل کردی یعنی جو کچھ اصل کتاب میں تھا اسے بعینہ دوسری کتاب میں منتقل کردیا، یہ معنی قرآن مجید کی اس آیت میں پائے جاتے ہیں [انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون] یعنی تم جو کام کرتے تھے ہم ان کو لکھ لیتے تھے۔

نسخ کی اصطلاحی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں شارع کا کسی مقدم (پہلے) حکم کو کسی متاخر (بعد والے) حکم کے ذریعے ختم، زائل یا تبدیل کرنا نسخ کہلاتا ہے۔

حافظ ابن صلاح نسخ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وھوعبارۃ عن رفع الشارع حکما منه متقدما بحکم منه متاخر منه" یعنی نسخ سے مراد ہے شارع کا متاخر حکم سے متقدم حکم کو ختم کرنا۔

حافظ ابن حجر نسخ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: " رفع تعلق حکم شرعی بدلیل شرعی متاخر عنه" یعنی ایک حکم شرعی کے نفاذ کو اس کے بعد آنے والی دلیل شرعی کے ذریعے ختم کرنا (نسخ کہلاتا ہے)۔

مندرجہ بالا تعریفوں سے معلوم ہوا کہ "شارع کا کسی حکم شرعی کو اس کے بعد آنے والی دلیل شرعی کے ذریعے ختم کرنا نسخ کہلاتا ہے"۔

آسان اور عام فہم الفاظ میں نسخ کی حقیقت کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ شارع کی جانب سے حکم سابق کی مدت ختم ہو جانے کو بتلانا نسخ کہلاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بعض احکام موقت ہوتے ہیں، مدت کے پورے ہونے پر حکم انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اور حکم سابق کی جگہ دوسرا حکم دیا جاتا ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ کئی علماء نے نسخ کی تعریف ہی اس طرح کی ہے جس سے یہ مفہوم اچھی طرح واضح اور ثابت ہو جاتا ہے مثلاً امام جصاص کے نزدیک نسخ کی تعریف ہے "بیان مدۃ الحکم" یعنی نسخ سے مراد حکم کی مدت کی وضاحت کرنا ہے۔اس لیے کہ دوسرا حکم یعنی ناسخ آکے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پہلا حکم یعنی منسوخ ایک خاص مدت تک کے لیے تھا۔

اسی طرح علامہ ابن حزم کے قول سے بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کی "نسخ کی حقیقت یہ ہی ہے کہ اللہ تعالی کوئی چیز کسی خاص مدت کے لیے حرام کرتا ہے (اگرچہ وہ مدت پہلے سے ہمیں بتائی نہیں جاتی بلکہ اللہ کے علم میں ہوتی ہے) پھر وہ اس کو مباح (جائز، حلال) کر دیتا ہے یا اس کے برعکس کوئی چیز کچھ مدت کے لیے مباح ہوتی ہے پھر اس کی مدت گذر جانے پر اس کو حرام کر دیا جاتا ہے۔اس کو یوں کہنا چاہیے کہ ایک حکم کے بعد دوسرا حکم نازل ہوا"۔

نسخ کبھی تدریجی یعنی مختلف مراحل میں ہوتا ہے اور کبھی یکبارگی یعنی ایک ہی مرتبہ تدریجی مثلاً: کنوئیں کے احکام میں رفتہ رفتہ شدت سے خفت کی جانب لایا گیا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے؛ جیسا کہ نماز کے منافی اعمال میں حرمت کے حوالے سے نرمی سے سختی کی جانب لے جایا گیا اسی طرح قرآن مجید میں شراب کی حرمت کا بیان بھی تدریجی نسخ کی مشہور مثال ہے، کیونکہ شراب کا رواج بہت زیادہ تھا اور لوگ اس کے عادی تھے تو ابتداء میں یہ کہا گیا کہ شراب کے نقصانات فوائد سے زیادہ ہیں اور یہ کہ شراب پی کر نماز کے قریب نہ جاو اور پھر آخری مرحلے میں واضح اور مکمل طور پر اس سے منع کر دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس نسخ کا تعلق تمام تر صرف احکام و قوانین سے ہے،

عقائد وایمانیات یا اخلاق وصفات یا واقعات و حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عقائد وایمانیات اور واقعات و حقائق ایسی چیزیں نہیں ہیں جو آج کچھ ہوں اور کل کچھ اور بن جائیں۔ لیکن احکام و قوانین میں اگر کوئی ترمیم و اصلاح خود قانون کا دینے والا کر دے تو اس سے قانون کے مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ اس سے اصل مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

نسخ فی الحدیث کی اصطلاحی تعریف

گذشتہ کلام کی روشنی میں نسخ فی الحدیث کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہوگی: "شارع کا حدیث میں موجود کسی حکم کو اس کے بعد آنے والی دلیل شرعی کے ذریعے ختم کرنا (نسخ فی الحدیث کہلاتا ہے)۔

7.2- نسخ کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ)

جو کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کو نظر انداز کراتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

احکام شرعیہ ایک دم نازل نہیں ہوے بلکہ جیسے جیسے نئے حالات و واقعات پیش آتے گئے اس کے مطابق حسب ضرورت وحی الہی قرآن وسنت کی صورت میں نازل ہوتی گئی۔ بعض اوقات پہلے حالات کے مطابق نازل شدہ احکام منسوخ بھی ہوے اور ان کی جگہ نئے احکام نازل کیے گئے لہذا ان پہلے اور بعد میں نازل ہونے والے احکام کی پہچان کے لیے ایسے علم کی ضرورت ہے جو ان کے تاریخی ادوار پر روشنی ڈال کے پہلے اور بعد میں نازل ہونے والے حکم کی تعیین کے لیے رہنمائی فراہم کر سکے اسی علم کا نام "علم الناسخ والمنسوخ" ہے۔

اس علم سے عدم واقفیت کی صورت میں آدمی شرعی احکام میں ترتیب، اس کی حکمت، اور احکام میں مختلف تبدیلیوں کے بارے میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ حازمی نے کتاب الاعتبار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپؓ ایک قاضی کے پاس سے گذرے اور اس سے پوچھا: "تعرف الناسخ من المنسوخ؟" کیا تم ناسخ و منسوخ کا علم رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں تو آپؓ نے فرمایا "هلكت و اهلكت" "تو خود بھی ہلاک ہوا اور لوگوں کو بھی ہلاک کیا۔

اس سے اس علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ نظر میں ناسخ و منسوخ کو جانے بغیر فیصلے کرنا گویا خود بھی ہلاکت میں پڑنا ہے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اسی طرح امام حاکم معرفت ناسخ و منسوخ کی اہمیت کے حوالے سے امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ سے نقل کرتے ہیں کہ "ان العالم اذالم يعرف الصحيح و السقيم والناسخ والمنسوخ من الحديث لايسمى عالما" یعنی اگر کوئی عالم صحیح وضعیف اور ناسخ و منسوخ حدیث کی معرفت نہیں رکھتا تو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ نسخ کی ضرورت اس وجہ سے نہیں پیش آئی کہ نعوذ باللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص ہے جس کے سبب سے اس کے نازل کیے ہوئے قانون کو تجربات اور آزمائشوں کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ بلکہ اس کی وجہ صرف بندوں کی بعض فطری خامیاں اور کمزوریاں ہیں، جن کی وجہ سے بعض اوقات وہ کسی قانون کے قبول کرنے میں تدریج اور تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے اس وجہ سے اس نے یہ پسند فرمایا کہ وہ اپنے قانون میں اس تدریج و تربیت کو ملحوظ رکھے۔ یہ تدریج اور تربیت کا نظام ناسخ اور منسوخ احکام پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، کہ کیسے مختلف تقاضوں کے تحت مختلف طرز عمل اختیار کیا گیا۔ مثلاً بعض حالات میں شارع کی حکمت نے اس بات کا تقاضہ کیا کہ معاشرہ کے ابتدائی حالات کے تقاضوں کی مناسبت سے کسی خاص معاملے میں کوئی عارضی حکم دیا جائے اور جب معاشرہ اپنے بلوغ کو پہنچ جائے تو اس عارضی حکم کو آخری اور قائم رہنے والے حکم سے بدل دیا جائے۔ مثلاً ابتداء میں ورثاء کے کے حقوق کے تحفظ کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا، انصار و مہاجرین کی اخوت کو اخلاقی اخوت سے بڑھا کر قانونی اخوت کا درجہ دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو وراثت کے آخری اور حتمی قانون نے ان عارضی قوانین کو منسوخ کر کے خود ان کی جگہ لے لی۔ بعض حالات میں یہ حکمت اس امر

کی مقتضی ہوئی کہ عام انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی قانون درجہ بدرجہ اپنی آخری حد پر پہنچے، مثلاً شراب چونکہ اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس وجہ سے ابتداءً یہ صرف نماز کے اوقات کے لیے حرام ہوئی، روزہ چونکہ عرب جیسے گرم ملک کے لیے بڑی سخت چیز تھا اس وجہ سے شروع شروع میں سفر اور مرض کی صورت میں فدیہ دے دینے کے بھی گنجائش رکھی گئی۔ لیکن بعد میں جب طبائع کو ان چیزوں سے انس ہو گیا تو شراب کے قطعی حرمت کے حکم، قضاء کے ذریعے ماہ رمضان کے روزوں کی تعداد کی تکمیل کی ہدایت اور فدیہ کی اجازت کی منسوخی نے ان ابواب میں بھی شریعت کو کامل کر دیا۔ ان احکام کے بعد صرف اضطرار کے تحت ایک محدود و مشروط اجازت باقی رہ گئی۔ بعض صورتوں میں اس کا اقتضاء یہ بھی ہوا ہے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سابقہ شریعت کے کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے کچھ عرصہ تک اجازت دی گئی لیکن بعد میں اس اجازت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اسلامی شریعت کا مستقل حکم دے دیا گیا۔ مثلاً قبلہ کے معاملہ میں اس سے مقصود جیسا کہ قرآن میں واضح کیا گیا ہے مسلمانوں کا امتحان لینا تھا کہ کون اللہ اور رسول کی وفاداری میں پختہ ہے اور کون اب تک اپنی پچھلی روایات و عادات کا غلام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتحان تربیت ہی کا ایک جزو ہے۔ اسی طرح بعض حالات میں حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ معاشرہ کی افرادی قوت کی کمی کی تلافی کے لیے وقتی طور پر بعض ایسے احکام بھی دیے جائیں جو کیفیت کو بڑھانے والے اور قلت تعداد کی حالت میں زیادہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت پیدا کرنے والے ہوں۔ مثلاً ابتداء میں عام مسلمانوں کو بھی تہجد کی پابندی کا حکم دیا گیا، میدان جہاد میں ایک کو دس کفار کا مد مقابل قرار دیا گیا، جماعتی استحکام و تطہیر کے تقاضوں کے تحت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی رازدارانہ بات کرنے سے پہلے صدقہ کی ہدایت کی گئی۔ بعد میں جب مسلمانوں کی افرادی قوت بڑھ گئی اور تطہیر جماعت کا وقتی مقصد حاصل ہو گیا تو ان چیزوں میں تخفیف کر کے ان کو اسی عام سطح پر کر دیا گیا جو پہلے سے ان کے لیے شریعت میں مقرر تھی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم کو منسوخ کرنا اور اس کے بعد اس کی جگہ دوسرا حکم جاری کرنا اس وجہ سے ہے کہ پہلا حکم ایک خاص مدت کے لیے مفید تھا، جب وہ فائدہ اس سے حاصل ہو گیا تو گویا اس حکم کو جاری کرنے کا مقصد پورا ہو گیا اس لیے اس کی جگہ دوسرا حکم جاری کر دیا گیا، اور اس

دوسرے حکم جسے ناسخ کہاجاتا ہے کا پہلے حکم یعنی منسوخ کی جگہ آنااس لیے ضروری ہے کہ پہلا حکم عارضی اور مخصوص مدت کے لیے تھا اب اگر اس دوسرے حکم کی بجائے پہلے حکم کو ہی قائم رکھا جائے تو اس سے موجودہ حالات کے مطابق شریعت کی تکمیل نہیں ہوگی۔

اس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ شریعت اب مکمل ہو چکی ہے اس کے بعد اس میں کسی نسخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس میں تمام احکام کے ساتھ مشکل اور مجبور کن حالات کے لیے رخصتیں اور رعایتیں بھی بیان کردی گئی ہیں۔ اس وجہ سے حالات کی تبدیلی کے عذر پر منسوخ احکام کی طرف پلٹنے کے لیے بھی کوئی وجہ جواز باقی نہیں رہا۔

7.3- حدیث میں ناسخ و منسوخ کی معرفت کے طریقے

علماء کے خیال میں علوم حدیث میں ناسخ و منسوخ کی پہچان بہت مشکل فن ہے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ ناسخ احادیث کو منسوخ سے الگ کرنے کا عمل اتنا مشکل اور محنت طلب ہے کہ اس نے فقہاء کو تھکا کے رکھ دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو اس فن میں بہت مہارت حاصل تھی، محمد بن مسلم بن وارہ جب مصر سے واپس آئے تو امام احمد رحمہ اللہ نے ان سے پوچھا: کیا امام شافعی کی تمام کتابیں تم نے لکھ کر محفوظ کر لی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، اس پر امام احمد نے فرمایا کہ تم سے کوتاہی سرزد ہوگئی، ہمیں تو مفسر و مجمل احکام اور ناسخ و منسوخ احادیث کا علم امام شافعی کی مجلس میں ہی بیٹھ کر حاصل ہوا ہے۔

اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بہت کم اور خاص علماء وفقہاء تھے جو اس فن میں مہارت رکھتے تھے۔

حدیث میں ناسخ و منسوخ کی معرفت کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

ا۔ معرفۃ النسخ بقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصریح فرمادیں۔

جیسے حدیث مرفوع جس کے راوی حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشاد ہے:-

"نَهَيْتُكُمْ عن زِيارَةِ القُبُورِ، فَزُورُوها، ونَهَيْتُكُمْ عن لُحُومِ الأضاحِيِّ فَوْقَ ثَلاثٍ، فأمْسِكُوا

ما بَدا لَكُمْ، ونَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيذِ إلَّا فى سِقاءٍ، فاشْرَبُوا فى الأسْقِيَةِ كُلِّها، ولا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا. "-

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا،(اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں، لہٰذا) اب تم ان کی زیارت کر سکتے ہو اس لیے کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا، اب تم اس کو جتنے دن چاہو رکھو، میں نے تمہیں چمڑوں کے مشکیزوں کے علاوہ میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، اب تم جس برتن میں چاہو بناؤ مگر نشہ آور مشروب نہ پینا۔

۲۔ معرفۃ النسخ بقول الصحابی رضی اللہ عنہ

صحابی کا نسخ کی خبر دینا

جیسے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کی وجہ سے وضو کرنا اور نہ کرنا دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تھا اور بعد والا عمل وضو نہ کرنا ہے۔

پہلے عمل سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ دوسرے عمل سے اس کے برعکس معلوم ہو رہا ہے لیکن صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ یہ بتا رہے ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کی وجہ سے وضو نہ ٹوٹنے کا عمل بعد کا ہے اس لیے یہ ناسخ ہو گا اور وضو کرنے والا عمل پہلے کا ہے اس لیے وہ منسوخ شمار ہو گا۔

۳۔ معرفۃ النسخ بالاجماع

اجماع کے ذریعے نسخ کا علم ہونا

اجماع کے ذریعے ثابت نسخ کی مثال حضرت اسامہ بن زید کی یہ مرفوع حدیث ہے: "إنما الربا فی النسیئۃ، وزاد مسلم عن ابن عباس: "لا ربا فیما کان یدًا بید"

ایک جنس کی چیزوں کو ادھار فروخت کرنے میں سود ہے اور نقدلین دین کی صورت میں کمی بیشی کرنا سود نہیں ہے۔

یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس کو حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہ صحابہؓ روایت کرتے ہیں:

إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى "جس کا مقتضاء یہ ہے کہ اشیاء ستہ کا جس کے اتحاد کی صورت میں کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ اگرچہ دونوں عوض کی ادائیگی نقد ہو۔

امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں حدیث اسامہؓ کے متعلق فرماتے ہیں: ترجمہ: کہ مسلمانوں کا حدیث اسامہ کے مطابق عمل نہ کرنے پر اجماع ہو گیا ہے لہذا یہ اجماع اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ معرفۃ النسخ بالتاریخ

تاریخ کے ذریعے نسخ کا پتہ چلنا

حضرت شداد بن اوس رحمہ اللہ کی حدیث ہے: "پچھنے لگانے اور لگوانے والا دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا"۔

جو معارض ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث: "رسول اللہ ﷺ نے روزے اور احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے، کیونکہ دوسری حدیث حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ کے موقع کی ہے اور پہلی حدیث سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع کی ہے۔

۵۔ معرفۃ النسخ بالممانعۃ

ممانعت کے ذریعے نسخ کے علم کا مطلب یہ ہے کہ دو معارض حدیثیں جن میں سے ایک محرم (حرمت کو ثابت کرنے والی) اور ایک مبیح (جواز کو ثابت کرنے والی) ہو یعنی ایک کی دلالت اباحت اصلیہ پر ہے اور دوسری کی ممانعت پر، تو چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اس لیے مبیح کو منسوخ مانا جائے گا کیونکہ یہ مقدم ہے اور محرم کو ناسخ قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ مؤخر ہے، مثلاً: عبدالرحمٰن بن شبل کی حدیث جو گوہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے راجح اور ناسخ قرار دی جائے گی، حضرت خالد بن ولید کی حدیث کے مقابلے میں جس سے اس کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے۔

٦۔ معرفۃ النسخ بالقواعد الکلیۃ

قواعد کلیہ کے ذریعے نسخ کی پہچان حاصل کرنا

اسی طرح فقہاء کسی حدیث کے شرعی قواعد کلیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے بھی اس کے منسوخ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسے سلمہ بن محبق کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کے متعلق جو اپنی بیوی کی باندی سے بدکاری کر بیٹھا تھا یہ فیصلہ دیا کہ اگر اس نے زبردستی کی ہے تو باندی آزاد ہو گئی اور اس آدمی کے ذمے اس کی مالکن کے لیے اس باندی کا مثل دینا واجب ہے اور اگر اس باندی کی مرضی سے اس نے یہ کام کیا تو باندی اس شخص کی ہو گی اور مالکن کے لیے اس باندی کا مثل اس شخص پر واجب ہے۔

مشہور محدث وفقیہ امام خطابی فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ فقہاء میں سے کوئی بھی اس حدیث کا قائل ہو گا؛ کیونکہ اس میں چند چیزیں اصول اور بنیادی قواعد شرعیہ کے خلاف ہیں:

(۱) انسان کا ضمان مثل کے ذریعے واجب کرنا (کیونکہ دو انسان یا حیوان ایک جیسے نہیں ہو سکتے اس لیے ان کا ضمان بالمثل نہیں ہوتا)۔ (۲) زنا کے ذریعے ملکیت حاصل کرنا۔ (۳) حد ساقط کر کے مالی سزا واجب کرنا۔ یہ تمام باتیں انوکھی ہیں، اس لیے اگر یہ بات اصول روایت کے مطابق صحیح اور ثابت بھی ہو تو بھی منسوخ شمار ہو گی۔

7.4- ناسخ و منسوخ فی الحدیث کی کتب اور محدثین کا تعارف

ناسخ و منسوخ فی الحدیث پر کئی علماء نے کتابیں لکھی ہیں ان میں سے چند اہم اور مشہور تصانیف اور ان کے مصنفین کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ابو بکر محمد بن موسی الحازمی کی الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الآثار

۲۔ امام احمد کی الناسخ والمنسوخ

۳۔ ابن جوزی کی تجرید الاحادیث المنسوخۃ

۴۔ حافظ ابن شاہین کی الناسخ والمنسوخ من الحدیث

۵۔ عزالدین حسین الشیخ کی مختصر الناسخ والمنسوخ فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

٦۔ علامہ احمد محمد المظفر المختار الرازی کی کتاب الناسخ والمنسوخ في الاحادیث

ان میں سے ایک نہایت اہم کتاب اور اس کے مصنف کا تعارف درج ذیل ہے:

الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الآثار لابی بکر الحازمی

نام و نسب

آپ کی کنیت "ابو بکر" لقب "زین الدین" اور نام و نسب "محمد بن موسی بن عثمان بن موسی بن عثمان" ہے۔ اپنے دادا "حازم" کی طرف نسبت کی وجہ سے "حازمی" کہلاتے ہیں جبکہ "ہمذان" شہر کی طرف نسبت کی وجہ سے "ہمذانی" کہلاتے ہیں۔

پیدائش و تعلیم

آپ کی ولادت ۵۴۸ھ میں ہوئی، آپ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے علمی مراکز جیسے ہمذان (آپ کی جائے پیدائش)، بغداد، اصفہان، موصل، واسط، خراسان اور قزوین کے بڑے بڑے علماء اور شیوخ سے علم حاصل کیا، آپ کے اساتذہ و شیوخ میں ابو زرعہ طاہر بن محمد بن طاہر المقدسی الزی الہمذانی، ابو الوفاء محمود بن ابی القاسم بن عمر البغدادی، حافظ ابو موسی محمد بن عمر بن احمد المدینی، ابو الفضل عبد اللہ بن احمد بن محمد الخطیب الطوسی، ابو طالب محمد بن علی بن احمد الکتانی، ابو المعالی عبد المنعم بن عبد اللہ بن محمد الغراوی الصاعدی، ابو القاسم عبد اللہ بن حیدر بن ابی القاسم القزوینی وغیرہ شامل ہیں اس کے علاوہ آپ نے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی جن میں حافظ فقیہ ابو محمد عبد الخالق النشتبری، خطیب دمیاط جلال الدین عبد اللہ بن حسن الدمیاطی، مقری تقی الدین ابن باسویہ الواسطی اور ابو عبد اللہ الدبیثی صاحب ذیل تاریخ بغداد وغیرہ جیسے حضرات شامل ہیں۔

علمی مقام و مرتبہ

علماء نے بہت شاندار الفاظ میں آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے جن میں سے چند آراء درج ذیل ہیں:

ابو عبد اللہ ابن نجار ان کے بارے میں کہتے ہیں: "آپ ان ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے تھے جو حدیث اس کے معانی اور رجال وغیرہ کا گہرا علم رکھتے ہیں، آپ انتہائی عابد و زاہد، متقی اور پرہیزگار اور خلوت نشین انسان تھے، ہمارے شیخ حافظ ابو موسیٰ ابو بکر حازمی کو عبد الغنی المقدسی سے افضل قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں

نے ان سے زیادہ حدیث کا حافظ نہیں دیکھا"۔

احمد بن خلکان ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ "آپ مضبوط حفاظ حدیث اور اللہ کے ان نیک بندوں میں سے تھے جن پر علم حدیث کا شوق غالب ہوا اور انہوں نے اس میں اعلی مہارت، امتیازی مقام اور شہرت حاصل کی"۔

حافظ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: "آپ امام، انتہائی ذہین، فہم رسا کے مالک، دین کی گہری سمجھ رکھنے والے جلیل القدر شخصیت کے مالک، حدیث میں مہارت رکھنے والے، رجال اور علل سے گہری واقفیت رکھنے والے، علم السنن کے سمندر میں غوطہ زنی کرنے والے اور اس کے ساتھ ساتھ انتہائی عبادت گذار، پرہیز گار اور خلوت نشینی کو پسند کرنے والے تھے"۔

تصانیف

آپ کی مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب "الناسخ والمنسوخ"۔
۲۔ "عجالۃ المبتدی وفضالۃ المنتہی" یہ کتاب علم النسب سے متعلق ہے۔
۳۔ "المؤتلف والمختلف" یہ کتاب شہروں کے ناموں کے بارے میں ہے۔
۴۔ "شروط الائمۃ الخمسۃ"۔
۵۔ کتاب "الفیصل" یہ مشتبہ النسب راویوں کے بارے میں ہے۔
۶۔ کتاب "سلسلۃ الذہب" یہ کتاب ان روایات پر مشتمل ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کی ہیں۔

وفات

ابن خلکان اپنی مشہور کتاب وفیات الاعیان میں ان کی وفات کے بارے میں کہتے ہیں کہ حازمی کا انتقال ۲۸ جمادی الاولی پیر کی رات ۵۸۴ھ کو بغداد میں ہوا۔ آپ کے جنازے میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور آپ کی تدفین مقبرہ شونیزیہ میں جنید بغدادی رحمہ اللہ کی قبر کے سامنے ہوئی۔

الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الآثار

یہ کتاب علم ناسخ والمنسوخ فی الحدیث کی بہت سی اہم اور مفید مباحث پر مشتمل ہے جن میں سے چند اہم عنوانات درج ذیل ہیں:

اس علم کے مشکل اور ضروری ہونے کا تذکرہ۔

نسخ کے لغوی اور شرعی معانی اور اس کے ضمن میں اس کی چار اصطلاحی تعریفیں۔

ناسخ و منسوخ کے لیے چار ضروری شرائط۔

احادیث میں ظاہری تعارض کو دور کرنے کے تین طریقے۔

نسخ فی الحدیث کی معرفت کے چار طریقے۔

احادیث میں پچاس کے قریب وجوہ ترجیح کا بیان۔

نسخ اور تخصیص میں فرق کی وضاحت۔

نسخ کی چار اقسام۔

خلاصہ یہ کہ اس کتاب کا شمار نسخ فی الحدیث کے بارے میں لکھی گئی اہم ترین کتابوں اور بنیادی مصادر میں ہوتا ہے اور علوم الحدیث کا کوئی بھی طالب علم اس کے مطالعے سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

خود آزمائی

سوال نمبر ۱۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث کا معنی و مفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ نسخ کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر ۳۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث کی معرفت کن طریقوں سے ہوتی ہے؟ تفصیل بیان کریں۔

سوال نمبر ۴۔ ناسخ و منسوخ فی الحدیث پر لکھی گئی چند اہم کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام ذکر کریں اور کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الآثار اور اس کے مصنف کا تعارف کروائیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمرو عبد المنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624، ایم اے، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبد الرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابو الحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبد الرؤوف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

یونٹ نمبر ⑧

علم الجرح والتعدیل

تالیف: ابتسام الرحمان
نظر ثانی: ڈاکٹر محمد شاہد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ وطالبات! اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع "علم الجرح والتعدیل" سے ہے، یہ وہ علم ہے جس میں حدیث کے راویوں میں پائے جانے والی خوبیوں اور نقائص کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تاکہ اس کی بنیاد پر حدیث کی صحت اور ضعف کا فیصلہ کیا جاسکے ،اس یونٹ میں جن موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے ان میں جرح وتعدیل کا معنی ومفہوم، علم جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت، جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت، مقبول راوی کی شرائط اور رواۃ حدیث پر جرح کے اسباب، تعدیل اور جرح کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ، تعدیل اور جرح کے مراتب اور ان کے احکام، تعدیل اور جرح کی قبولیت کی شرائط، اجتماع جرح و تعدیل، اور علماء وکتب جرح وتعدیل شامل ہیں، اس یونٹ میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بنیادی مواد جمع کیا گیا ہے، آپ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں، امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ جرح وتعدیل کا معنی ومفہوم بیان کر سکیں۔
2۔ علم جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت اور شرعی حیثیت پر روشنی ڈال سکیں۔
3۔ مقبول راوی کی شرائط اور رواۃ حدیث پر جرح کے اسباب بتا سکیں۔
4۔ جرح وتعدیل کے الفاظ، مراتب اور قبولیت کی شرائط پر تفصیلی بحث کر سکیں۔
5۔ اجتماع جرح وتعدیل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کے احکام واضح کر سکیں۔
6۔ علماء وکتب جرح وتعدیل پر مضمون لکھ سکیں۔

8۔ علم جرح وتعدیل

8.1- جرح وتعدیل کا معنی ومفہوم

جرح کا لغوی معنی

"جرح" کا لغوی معنی ہے زخمی کرنا، کسی کا عیب یا نقص بیان کرنا۔

تعدیل کا لغوی معنی

"تعدیل" یہ عدل سے نکلا ہے جو کہ ظلم کی ضد ہے، اور "تعدیل" کا معنی ہے کسی کو معتبر قرار دینا۔

جرح وتعدیل کا اصطلاحی مفہوم

ماہر فن محدث کا کسی روایت کے راوی کو عادل ومعتبر قرار دینا "تعدیل" کہلاتا ہے، جبکہ ماہر فن محدث کا کسی روایت کے راوی پر اعتراض یا اس کی خامی بیان کرنا "جرح" کہلاتا ہے۔

علم جرح وتعدیل کی تعریف

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: "یہ وہ علم ہے جو خاص الفاظ کے ذریعے راویوں کی عدالت وثقاہت یا ان کے عیب وضعف سے بحث کرتا ہے"۔

8.2- علم جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال قرآن مجید کے بعد شریعت اسلامی کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد یا عمل ایک مسلمان کے لیے قانون اور رہنما اصول کا درجہ رکھتا ہے، اسی بات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو مکمل طور پر محفوظ کرنے کا پورا اہتمام کیا۔ اسی اہتمام کے سلسلے میں جرح وتعدیل کا علم وجود میں آیا جس میں حدیث بیان کرنے والوں کے حالات کی تحقیق اور چھان بین کی جاتی ہے۔ اس علم کی ضرورت اس وقت اور بڑھ گئ جب

اسلام کے دشمنوں نے اسلام میں عیب نکالنے اور اس کے احکام وہدایات کے معانی و مفاہیم کے بدلنے کے لیے اپنے پاس سے احادیث بنا بنا کر ان کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی شروع کر دی تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں دین اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر سکیں۔

علم جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت کے بارے میں ابو حاتم رازی لکھتے ہیں کہ "کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی معرفت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم ناقلین وراویان حدیث میں سے عادل، حافظ وثقہ راویوں اور جھوٹے ، کمزور حافظے والے ،اور غیر ثقہ راویوں کے درمیان فرق اور امتیاز کریں۔چونکہ دین اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راویوں کے نقل کرنے کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے،اس لیے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم راویوں کے حالات کی اچھی طرح معرفت حاصل کریں"(تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کس راوی کی روایت قابل قبول ہے اور کس کی نہیں)۔

علمائے جرح وتعدیل نے اس علم کی ضرورت واہمیت کو دیکھتے ہوئے حدیث کے راویوں کی خوب جانچ پڑتال کی،ان کے حالات کا پوری طرح جائزہ لیا اور انہیں اچھی طرح پرکھ کر روایت حدیث کے لیے ان کی اہلیت اور قابلیت کا فیصلہ کیا،اس مقصد کے لیے محدثین نے حدیث کے راویوں کے حالات نہایت باریک بینی سے جمع کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر نقد وجرح کے اصول وضوابط مقرر کیے۔اس سے علم اسماء الرجال اور علم جرح و تعدیل وجود میں آئے،اس سے پہلے دنیا کی تارخ میں اتنی بڑی تعداد میں کبھی لوگوں کے حالات جمع نہیں ہوئے۔اس بات کا اعتراف غیر مسلم محققین نے بھی کیا ہے،جیسا کہ مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے " کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو ،جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیات کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں"۔

8.3- جرح وتعدیل کی شرعی حیثیت

اس بات پر علمائے امت کا اتفاق ہے کہ حدیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے حدیث کے

راویوں کے عیوب و نقائص کو واضح کرنا تجسس اور غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔

قرآن و حدیث میں اس کے بہت سے دلائل موجود ہیں، جیسا کہ سورت الحجرات کی آیت مبارکہ میں ہے: [یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا]

ترجمہ: "اے ایمان والو جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی چھان بین کر لیا کرو"۔

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کے متعلق جس سے لوگوں کو ضرر و نقصان پہنچ سکتا تھا یہ فرمایا: "بئس اخو العشیرۃ" یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب عام لوگوں کو کسی برے شخص کی ضرر رسانی سے بچانے کے لیے اس کی برائی کو سب کے سامنے بیان کیا جا سکتا ہے تو دین کو بچانے کے لیے برے، غلط اور نا قابل اعتماد لوگوں کی خامیوں سے خبردار کرنا تو زیادہ ضروری اور اہم ہے۔

اس وجہ سے کشف الظنون میں محدثین کا یہ موقف بیان کیا گیا ہے کہ: "لوگوں کی جرح و تعدیل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت ہے اور اسے شریعت کی حفاظت کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سے لوگوں پر طعن اور ان کی تنقیص مقصود نہیں۔ جس طرح گواہوں پر جرح جائز ہے اسی طرح روایت کے راویوں پر بھی جرح جائز ہے۔ کیونکہ معاملہ دین و شریعت کا ہے اور دین کے معاملات میں مضبوطی دوسرے تمام معاملے سے زیادہ ضروری ہے، اسی لیے ائمہ حدیث نے رواۃ حدیث کے حالات کی تحقیق کی ذمہ داری اٹھائی"۔

8.4- مقبول راوی کی شرائط اور رواۃ حدیث پر جرح کے اسباب

راوی کی مقبولیت کی شرائط

محدثین کے نزدیک کسی روایت کی قبولیت کے لیے راوی میں چار شرائط دیکھی جائیں گی۔

۱۔ اسلام

۲۔ عقل

۳۔ عدالت

۴۔ ضبط

۱۔ اسلام

حدیث کے راوی کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، غیر مسلم اسلامی اقدار اور روایات کا پابند نہیں ہوتا اس لیے روایت حدیث کے لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ عقل

عقل سے تمیز و شعور مراد ہے جو کہ بالغ ہونے پر ہی ہو سکتا ہے اس لیے قبولیت روایت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا راوی اخذ روایت (روایت کو شیخ سے حاصل کرنا) اور انتقال روایت (روایت کو آگے پہنچانا) کے وقت عاقل و بالغ ہو، البتہ جو بچہ باشعور، سمجھدار اور خوب ہوشیار ہو تو محدثین کے نزدیک وہ اخذ حدیث تو کر سکتا ہے لیکن نقل حدیث نہیں کر سکتا۔

۳۔ ضبط

حدیث کے راوی میں جن شرائط کا لحاظ کیا جائے گا ان میں سے یہ بھی ہے کہ راوی ضابط ہو یعنی اس کا حافظہ قوی ہو اور سوچنے سمجھنے کی اچھی صلاحیت رکھتا ہو۔ بھولنے والا، غافل یا وہمی نہ ہو، کچھ راوی حافظے میں معمولی کمی کو لکھنے کے ذریعے بھی پورا کر لیتے ہیں جسے ضبط بالکتابۃ کہتے ہیں۔

۴۔ عدالت

قبولیت حدیث کے لیے راوی کا عادل ہونا بھی ضروری ہے، عادل وہ آدمی ہے جو شرعی فرائض و اوامر کو پورا کرتا ہو اور فواحش و منکرات سے بچتا ہو معاملات میں بھی غیر شرعی امور سے اجتناب کرتا ہو۔ دوسرے

لفظوں میں فسق وفجور سے پاک ہونااور متقی وپرہیز گار ہوناعدالت راوی ہے۔

راویان حدیث پر جرح کے اسباب

حافظ ابن حجر کے نزدیک دس اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے کسی راوی پر جرح کی جاتی ہے۔ان میں سے پہلے پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے جب کہ آخری پانچ کا تعلق اس کے ضبط یعنی حافظے سے ہے۔

۱۔ کذب فی الحدیث یعنی راوی حدیث میں جھوٹ بولتا ہو مثلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات نہیں فرمائی لیکن وہ جان بوجھ کر اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر رہا ہے۔

۲۔ متہم بالکذب ہو یعنی ایسے قرائن اور آثار پائے جائیں جن کی وجہ سے راوی کے جھوٹا ہونے کا غالب گمان ہو مثلا ایک حدیث جو قواعد مشہورہ کے مخالف ہے اکیلے اسی راوی سے روایت کی گئی ہو۔ایسے شخص کو بھی ائمہ جرح وتعدیل مجروح سمجھتے ہیں جو عام بات چیت میں جھوٹ بولتا ہو لیکن حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو۔

۳۔ اس راوی کے قول وفعل سے فسق (اللہ کی نافرمانی اور گناہ کے کام) ظاہر ہوتا ہو جو کفر کی حد تک نہ پہنچتا ہو۔

۴۔ راوی کی جہالت ثابت ہو۔

۵۔ راوی بدعتی ہو۔یعنی ایسی چیزوں کو دین کا حصہ سمجھے جو ثابت نہیں۔

۶۔ راوی سے حفظ وضبط کی کمی کی وجہ سے اغلاط بکثرت سرزد ہوتی ہوں۔

۷۔ راوی میں غفلت کی کثرت ہو۔

۸۔ راوی وہم کی بنیاد پر روایت کرتا ہو۔

۹۔ راوی دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو۔

۱۰۔ راوی کے حافظے اور یاداشت (پیدائشی طور پر، بیماری یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے) میں خرابی پائی جائے۔

8.5- تعدیل اور جرح کے مختلف درجات

جرح و تعدیل کے درجات سے مراد یہ ہے کہ راوی پر جرح کبھی بہت سخت ہوتی ہے، کبھی اس سے کچھ کم اور کبھی مزید کم، اور تعدیل میں بھی مختلف درجات ہیں کبھی اعلی درجے کی ہوتی ہے، کبھی اوسط درجے کی اور کبھی ادنی درجے کی، ان سب کے لیے بھی الگ الگ الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فلاں درجے کی تعدیل یا جرح ہے اور پھر ہر درجے کا الگ حکم ہوتا ہے۔

محدثین نے جرح و تعدیل کے چھ درجات ذکر کیے ہیں۔

تعدیل کے درجات اور ان کے الفاظ

تعدیل راوی کا پہلا درجہ:

سب سے اعلی درجے کی تعدیل وہ ہے جو مبالغہ یا تفضیل کے ساتھ کی جائے جیسے" فلان اوثق الناس "یعنی فلاں شخص لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور معتبر ہے، یا کہا جائے "فلان اثبت الناس "یعنی فلاں شخص روایت حدیث کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ پختہ اور ثابت قدم ہے۔اسی طرح "فلان اضبط الناس "کہ فلاں شخص لوگوں میں سب سے بڑھ کر احادیث کو محفوظ رکھنے والا یا سب سے مضبوط یاداشت اور حافظے کا مالک ہے۔ یا کسی راوی کے بارے میں یوں کہا جائے کہ "لیس له نظیر" یعنی روایت حدیث کی قابلیت میں اس جیسا شخص کوئی نہیں وغیرہ۔

تعدیل راوی کا دوسرا درجہ:

مرتبے کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر وہ تعدیل ہے جس میں کسی راوی کے بارے میں ایک ہی صفت تکرار کے ساتھ آئے جیسے "ثقة ثقة" یعنی ثقہ ہے ثقہ ہے کہا جائے اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ راوی بہت ہی ثقہ ہے یا دو اچھی صفات استعمال کر کے اس تعدیل میں تاکید اور مضبوطی پیدا کی جائے جیسے "ثقة ثبت" یعنی ثقہ ہے

روایت کرنے کے لحاظ سے کہا جائے یا "ثبت حجة" یعنی پختہ کار اور قابل اعتماد ہے کہا جائے وغیرہ

تعدیل راوی کا تیسرا درجہ:

ایسے لفظ سے راوی کی ثقاہت بیان کی جائے جو پہلی دو صورتوں کی طرح مبالغہ اور تاکید پر دلالت نہ کرتا ہو جیسے "ثقة" ثقہ ہے یا "حجة" قابل اعتماد ہے وغیرہ۔

تعدیل کے پہلے تین درجات کا حکم

اوپر ذکر کیے گئے تین مراتب پر فائز راوی قابل اعتماد ہیں یعنی ان کی روایت حجت اور قابل اعتماد ہو گی ان میں پہلے درجے والے راوی کو دوسرے اور دوسرے درجے والے کو تیسرے پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہو گی۔

تعدیل راوی کا چوتھا درجہ:

ایسے الفاظ سے راوی کی تعدیل و توثیق کی جائے جو راوی کی عدالت کو ظاہر کرتا ہو لیکن اس میں راوی کے ضبط یعنی قوت حافظہ کی طرف کوئی اشارہ نہ ہو مثلا کہا جائے "صدوق" سچا ہے۔ یا "لا باس به" اس میں کوئی خرابی نہیں۔ یا "مامون" امانت دار ہے وغیرہ۔

تعدیل راوی کا پانچواں درجہ:

راوی کے بارے میں ایسے الفاظ بیان کیے جائیں جو نہ توثیق و تعدیل پر دلالت کرتے ہوں نہ جرح پر جیسے "روی عنه الناس" اس سے لوگوں نے روایت کی ہے وغیرہ۔

تعدیل کے چوتھے اور پانچویں درجے کا حکم

چوتھے اور پانچویں مرتبے پر فائز راویوں کی حدیث حجت نہیں ہو گی البتہ ان کی احادیث لکھ لی جائیں گی اور ان کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے گا کہ راوی کا حافظہ کس درجے کا ہے اور دوسرے ثقہ راوی ان کے موافق ہیں یا نہیں، اگر دوسرے ثقہ راوی ان کے موافق ہوں تو ان کی روایت حجت ہو گی ورنہ نہیں۔

تعدیل راوی کا چھٹا درجہ:

یہ تعدیل کا آخری درجہ ہے، اس میں راوی کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو محدثین کے ہاں تعدیل کے لیے سب سے کم درجے کے شمار کیے جاتے ہیں مثلاً "فلان یکتب حدیثه" کہ فلاں کی حدیث لکھی جاتی ہے وغیرہ۔

تعدیل کے آخری درجے کا حکم

تعدیل کے چھٹے درجے کے حامل راویوں کی روایت حجت نہیں ہو گی البتہ انہیں لکھ لیا جائے گا اور ان کی روایات صرف دوسری روایات کی تائید کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔

جرح کے درجات اور ان کے الفاظ

تعدیل کی طرح جرح کے بھی چھ درجات ہیں۔

راوی پر جرح کا پہلا درجہ:

اس درجے میں سب سے ہلکی جرح ہوتی ہے اور اس کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ میں سب درجات سے زیادہ نرمی ہوتی ہے جیسے کسی راوی کے بارے میں ان الفاظ میں جرح کی جائے کہ "فلان لین الحدیث" فلاں شخص حدیث میں نرم رویہ اختیار کرتا ہے (یعنی جتنا اہتمام اس میں ہونا چاہیے وہ نہیں کرتا) یا کہا جائے "فیه مقال" یعنی اس راوی کے متعلق باتیں کہی گئی ہیں۔ یا "فیه ادنی مقال" یعنی اس راوی کے بارے میں معمولی سا کلام ہے۔ یا" فی حدیثه ادنی ضعف" یعنی اس کی روایت میں کچھ ضعف ہے وغیرہ۔

راوی پر جرح کا دوسرا درجہ:

ایسے الفاظ جو راوی کے ناقابل حجت اور ناقابل اعتماد ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہوں جیسے کہا جائے "فلان لا یحتج به" یعنی فلاں قابل حجت نہیں۔ یا "فلان ضعیف" فلاں راوی ضعیف یعنی روایت حدیث کے

معاملے میں کمزور ہے۔ یا "لہ مناکیر "اس کے ہاں منکر روایات پائی جاتی ہیں۔ یا "مضطرب الحدیث "یعنی اس کی حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ یا "ھذا من مناکیرہ" یہ اس کی منکر روایات میں سے ہے وغیرہ۔

جرح کے پہلے دو درجات کا حکم

جن راویوں کے بارے میں اس قسم کی جرح پائی جائے ان کی روایات نا قابل اعتماد ہوں گی لیکن ان کی احادیث تحقیق اور چھان بین کے لیے لکھی جائیں گی، البتہ ان میں سے دوسرے درجے والے راوی پہلے درجے والے راویوں کے مقابلے میں کم مرتبے کے ہوں گے۔

راوی پر جرح کا تیسرا درجہ

ایسے الفاظ جن میں راوی سے روایت لینے کی واضح الفاظ میں حوصلہ شکنی کی گئی ہو جیسے " فلان لا یکتب حدیثہ "یعنی فلاں کی احادیث نہیں لکھی جاتیں، یا "لاتحل الروایۃ عنہ "اس سے روایت لینا درست نہیں۔ یا " ضعیف جدا "روایت حدیث کے معاملے میں بہت زیادہ کمزور ہے وغیرہ۔

راوی پر جرح کا چوتھا درجہ:

ایسے الفاظ جن سے کسی راوی پر جھوٹ کے الزام کی صراحت ہوتی ہو یا اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا ہو جیسے کسی راوی کے بارے میں کہا جائے "فلان متھم بالکذب "یعنی فلاں آدمی پر جھوٹ کا الزام ہے۔ یا " فلان متھم بالوضع " فلاں آدمی پر وضع حدیث یعنی حدیث گھڑنے کا الزام ہے۔ یا "متروک "یعنی اسے چھوڑ دیا گیا ہے (اس کے نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے)۔ یا "لیس بثقۃ" یہ ثقہ یعنی قابل اعتماد نہیں ہے وغیرہ۔

راوی پر جرح کا پانچواں درجہ:

ایسے الفاظ جو کسی راوی کو جھوٹا ثابت کرتے ہوں جیسے "کذاب "بہت جھوٹا۔ یا "دجال "بہت فریبی " یا "وضاع " بڑا جعل ساز۔ یا " یضع الحدیث "یعنی یہ راوی حدیثیں گھڑتا ہے وغیرہ۔

راوی پر جرح کا چھٹا درجہ:

راوی پر ایسی جرح کی جائے اور ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو بہت زیادہ مبالغے پر دلالت کرتے ہوں جیسے "فلان اکذب الناس" فلاں آدمی سب سے بڑھ کر جھوٹا ہے۔"الیہ المنتھی فی الکذب" فلاں آدمی پر جھوٹ کی انتہاء ہے وغیرہ۔

جرح کے آخری چار درجات کا حکم

ایسے راوی جن کے بارے میں ائمہ حدیث کی طرف سے اوپر ذکر کی گئی چار میں سے کسی قسم کی جرح پائی جائے تو ان کی حدیثیں نا قابل حجت اور نا قابل اعتبار ہوں گی اور انہیں لکھا بھی نہیں جائے گا۔

8.6- تعدیل اور جرح کی قبولیت کی شرائط

جرح و تعدیل کے آداب و شرائط میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جرح و تعدیل کسی خاندانی، قبائلی، وطنی، مسلکی نظریاتی وابستگی یا عدم وابستگی کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ اس قسم کے تمام تعصبات سے پاک ہو، لہذا ایسے جارحین یا معدلین کی جرح یا تعدیل معتبر نہ ہو گی جن کا طریق کار یہ رہا ہو کہ وہ اپنے مسلک، نظریہ اور رائے کی حمایت میں روایت نقل کرنے والوں کو عادل اور ثقہ وغیرہ جبکہ اس کے خلاف روایت کرنے والوں کو غیر ثقہ اور غیر عادل یا کذاب وغیرہ قرار دیتے ہوں۔

قبول تعدیل کی شرائط

قبول تعدیل کی تین شرائط ہیں

۱۔ معدل (تعدیل کرنے والا) عادل ہو، فاسق نہ ہو۔

۲۔ معدل کے لیے ضروری ہے کہ وہ متیقظ یعنی بیدار مغز، مستعد اور ہوشیار ہو۔ غافل نہ ہو کہ راوی کے ظاہری حالات سے دھوکہ کھا جائے۔

۳۔ معدل اسباب تعدیل کو اچھی طرح جاننے والا ہو، جو آدمی مقبول اور مردود راوی کی صفات کو نہ جانتا ہو اس کی تعدیل قابل قبول نہیں ہو گی۔

قبول جرح کی شرائط

۱۔ جارح (جرح کرنے والا) عادل ہو۔ فاسق کی جرح مقبول نہیں ہو گی۔

۲۔ جارح کے لیے ضروری ہے کہ وہ متیقظ یعنی بیدار مغز، مستعد اور ہوشیار ہو۔ غافل کی جرح مقبول نہیں ہو گی۔

۳۔ جارح اسباب جرح کو اچھی طرح جاننے والا ہو، جو آدمی مقبول اور مردود راوی کی صفات کو نہ جانتا ہو اس کی جرح بھی قابل قبول نہیں ہو گی۔

۴۔ جارح اسباب جرح یعنی جرح کی وجوہات کو واضح طور پر بیان کرے، مبہم جرح یعنی جس میں جرح کے اسباب بیان نہ کیے گئے ہوں وہ قابل قبول نہیں۔ ابن حجر جرح مبہم کی قبولیت کے قائل ہیں البتہ اگر کسی راوی کی عدالت معلوم ہو جائے تو پھر جرح مبہم ان کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں، امام بخاری اور امام مسلم بھی اس کے قائل ہیں۔

۵۔ جارح معتدل مزاج ہو متشدد نہ ہو۔

۶۔ جن ائمہ کی امامت لوگوں کے درمیان مشہور اور جن کی عدالت حد تواتر کو پہنچی ہو ایسے ائمہ پر جرح مقبول نہیں ہو گی جیسے نافع، شعبہ، مالک، ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ

متشدد ائمہ کی جرح و تعدیل

متشدد ائمہ سے مراد جرح و تعدیل کے وہ ائمہ ہیں جو کہ راویوں کے بارے میں بہت زیادہ سختی سے کام لیتے ہوں۔ کسی راوی کے بارے میں ایسے ائمہ کی تعدیل بہت وقعت رکھتی ہے، لیکن کسی راوی پر محض ان کی

جرح کی وجہ سے اس کے بارے میں ضعف کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ جس راوی پر کسی متشدد کی جرح ہو اس کے بارے میں دوسرے ائمہ کی رائے معلوم کرنی چاہیے اور پھر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ ائمہ جرح و تعدیل میں زیادہ سختی کرنے والوں میں شعبہ، یحیٰ بن سعید القطان، یحیٰ بن معین، ابن حبان، حکم بن عتیبہ وغیرہ مشہور ہیں۔

یہ ائمہ نہایت معمولی اور غیر اہم بات کو دیکھ کر بھی جرح کر لیتے ہیں مثلاً شعبہ جو کہ امیر المؤمنین فی الحدیث مانے جاتے ہیں لیکن قبول روایت میں ان کی سختی کا یہ عالم ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ فلاں راوی کی روایت آپ کیوں قبول نہیں کرتے ؟ تو کہنے لگے کہ : "میں نے اسے ترکی گھوڑے پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا"۔ اسی طرح حکم بن عتیبہ کا معاملہ ہے کہ آپ سے ایک راوی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ اس سے روایت کیوں نہیں لیتے ؟ انہوں نے وجہ یہ بتائی کہ "کان کثیر الکلام" وہ باتیں بہت کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جرح و تعدیل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں لہذا جب دوسرے راویوں کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے گا کیونکہ ان سب کے دلوں میں ایمان و یقین پوری طرح راسخ ہو چکا تھا اور وہ عدالت و ثقاہت کے عظیم منصب پر فائز تھے۔ قرآن مجید کی سورۃ المجادلۃ کی آیت میں ہے [اولئك كتب في قلوبهم الايمان] ترجمہ : "یہ (صحابہ کرام) وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے"۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں : "ان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم و اخباره عن طهارتهم و اختياره لهم في نص القرآن" یعنی "صحابہ کا عادل ہونا یقینی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عادل قرار دیا ہے اور ان کی پاکیزگی کی خبر دی ہے اور نص قرآن کے مطابق اس نے (اپنے نبی کی صحبت کے لیے) انہیں چن لیا تھا"۔

حافظ ابن عبد البر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں: "ان جمیعھم ثقات مامون عدل رضی اللہ عنہم فواجب قبول ما نقل کل واحد منھم و شھد بہ علی نبیہ ﷺ"۔ یعنی سب صحابہ ثقہ (قابل اعتماد)، امانت دار ہیں، اور عادل ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا، ان میں سے ہر ایک نے جو بات رسول اللہ ﷺ سے نقل کی اور اپنے نبی ﷺ کے متعلق اس کی گواہی دی وہ واجب القبول ہے۔

اسی طرح حافظ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں: "لایتطرق الیھم الجرح لان اللہ عزوجل و رسولہ زکاھم و عدلاھم"۔ یعنی جرح ان (صحابہ کرام) کی طرف راہ نہیں پاسکتی کیونکہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا تزکیہ (پاکیزہ قرار دینا) اور تعدیل (عادل قرار دینا) کی ہے"۔

8.7- اجتماع جرح وتعدیل

اجتماع جرح وتعدیل یہ ہے کہ ایک راوی پر جرح بھی کی گئی ہو اور اس کی تعدیل بھی کی گئی ہو مثلا جرح و تعدیل کا کوئی عالم اس راوی کے متعلق یوں کہے کہ "انہ ثقۃ" اور دوسرا کہے " انہ ضعیف" وہ تو ضعیف ہے۔ ایسی صورتحال میں جرح کو ترجیح دی جائے گی یا تعدیل کو؟

اس سوال کے جواب کے لیے پہلے اجتماع جرح وتعدیل کی چار مختلف صورتیں سمجھنا ضروری ہے، جن میں سے ہر صورت اور اس کا حکم درج ذیل ہے:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ راوی کے بارے میں جرح و تعدیل دونوں ہی مبہم ہوں یعنی نہ تو جرح کے اسباب بیان کیے گئے ہوں اور نہ تعدیل کے اسباب ذکر کیے گئے ہوں۔ ایسی صورت حال میں تعدیل کو ترجیح حاصل ہو گی کیونکہ جرح کا مفسر (تفصیلی، سبب کے ساتھ) ہونا شرط ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جرح اور تعدیل دونوں ہی مفسر ہوں یعنی جرح اور تعدیل دونوں کے ساتھ سبب بھی ذکر کیا گیا ہو تو جرح کو ترجیح حاصل ہو گی لیکن ایسی صورت میں جارح (جرح کرنے والا) کا غیر متعصب اور غیر متشدد ہونا ضروری ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ راوی کے بارے میں تعدیل مبہم ہو اور جرح مفسر ہو۔ایسی صورت میں جرح کو ترجیح حاصل ہو گی کیونکہ جرح کا مفسر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ جارح (جرح کرنے والا) کے پاس معدل (تعدیل کرنے والا) کے مقابلے میں راوی کے بارے میں زیادہ علم ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جرح مبہم ہو اور تعدیل مفسر ہو۔ایسی صورت میں تعدیل کو ترجیح حاصل ہو گی، کیونکہ تعدیل مفسر ہے اور ویسے بھی جرح کا مفسر ہونا ضروری ہے۔

علمائے جرح و تعدیل کے اختلاف کا سبب

ایک ہی راوی کی جرح و تعدیل کے بارے میں علماء کی آراء کا مختلف ہونا یعنی صدق یا کذب، عدالت و ثقاہت یا فسق و بددیانتی، حفظ و ضبط یا وہم و نسیان کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے درمیان اختلاف کا پایا جانا ان کی مختلف شرائط کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ راویوں کی جرح و تعدیل کے بارے میں علمائے حدیث انتہائی محتاط اور پختہ کار ہوتے ہیں، ان میں اس قسم کا اختلاف کبھی واقع نہیں ہوا کہ جو راوی محدثین کے حلقے میں ضعیف مشہور ہو علمائے جرح و تعدیل اس کی توثیق کرنے لگیں یا جو راوی حافظہ کی پختگی یا سچائی میں مشہور و معروف ہو اس کی تضعیف کرنے لگیں۔ علمائے جرح و تعدیل کا اختلاف تو صرف اسی راوی کی جرح و تعدیل میں ہوتا ہے جو محدثین کے ہاں ضعیف یا ثقہ ہونے میں مشہور نہ ہو اور غیر مشہور ہونے کی وجہ سے تضعیف اور توثیق دونوں کا احتمال ہو، ورنہ جو راوی ضعف یا ثقاہت میں مشہور ہوتے ہیں ان کے بارے میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ان کی تضعیف یا توثیق پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔

8.8- علماء و کتب جرح و تعدیل

علمائے جرح و تعدیل

جیسا کہ یہ بات پہلے یونٹ میں گذر چکی ہے کہ راویوں کی چھان بین کا سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ہی شروع ہو چکا تھا، لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حدیث کے

راویوں کی جرح وتعدیل کے سلسلے میں مزید اہتمام کیا جانے لگا۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ بدعتی اور فتنہ باز لوگوں نے احادیث گھڑنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

جرح وتعدیل سے کام لینے والے صحابہ کرام میں مشہور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔امام حاکم نے انہیں علمائے جرح وتعدیل کے طبقہ اولی میں شمار کیا ہے۔

اوپر ذکر کیے گئے کبار (بڑے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد صغار (کم عمر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے حضرات ہیں جنہوں نے اخذ حدیث (کسی سے حدیث لینا یا قبول کرنا) کے سلسلے میں جرح وتعدیل سے کام لیا۔

اسی زمانے میں کبار تابعین مثلاً سعید بن المسیب (م93ھ) شعبی (م104ھ) اور ابن سیرین (م110ھ) نے کسی سے حدیث لینے سے پہلے جرح وتعدیل کو مد نظر رکھا۔

صحابہ وتابعین کے بعد دوسری صدی میں معمر بن راشد (م153ھ)، ہشام دستوائی (م154ھ)، امام اوزاعی (م156ھ)، شعبہ بن حجاج (م160ھ)، امام سفیان ثوری (م161ھ)، حماد بن سلمہ (م167ھ)، لیث بن سعد (م175ھ)، امام مالک (م179ھ)، وغیرہ نے بھی رواۃ حدیث پر جرح وتعدیل کا اہتمام کیا اور صرف ثقہ راویوں کی احادیث بیان کیں۔

ان حضرات کے بعد دوسری صدی ہجری کی آخری دہائیوں میں علماء جرح وتعدیل کا دوسرا طبقہ منظر عام پر آیا۔ان میں مشہور علماء کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن مبارک (م181ھ)، یحیی بن سعید القطان (م189ھ) اور عبدالرحمان بن مہدی (م198ھ) جیسی شخصیات ہیں جنہیں اس فن میں امامت اور استناد کا درجہ حاصل ہے۔

تیسری صدی ہجری کے علمائے جرح و تعدیل میں ابوداود طیالسی(م206ھ)،عبد الرزاق بن ہمام(م211ھ)، یزید بن ہارون(م211ھ)،ابوعاصم بن مخلد(م212ھ)وغیرہ مشہور ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تیسری صدی ہجری میں ہی علم جرح و تعدیل کے فن پر مستقل کتابیں آنی شروع ہوئیں۔ یحی بن معین(م233ھ)نے اس حوالے سے نمایاں کام کیا،آپ کے شاگردوں نے سوال وجواب کی شکل میں آپ کے کلام کو محفوظ کیا۔احمد بن حنبل(م290ھ)، محمد بن سعد(م230ھ)، علی بن مدینی(م234ھ)، وغیرہ نے اس فن پر کتابیں لکھیں۔ان ائمہ کے بعد امام بخاری(م256ھ)،امام مسلم (م261ھ) ،احمد بن عبد اللہ العجلی(م261ھ) ،ابو زرعہ رازی(م264ھ)،ابو داود سجستانی(م275ھ) وغیرہ نے بھی علم جرح وتعدیل واسماءالرجال پر کتابیں تصنیف کیں۔

چوتھی صدی ہجری میں ابو جعفر محمد بن عمرو عقیلی (م322ھ) ،ابوحاتم رازی(م327ھ)،ابن حبان(م354ھ)، عبد الرحمان بن خلاد رامہرمزی(م360ھ)، عبد اللہ بن عدی جرجانی (م365ھ)جوکہ ابن عدی کے نام سے مشہور ہیں،دار قطنی (م385ھ) وغیرہ جیسے حضرات نے جرح وتعدیل پر کتب تصنیف کیں۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو عبد اللہ الحاکم(م405ھ)،امام بیہقی(م458ھ)،خطیب بغدادی (م463ھ)،ابن عبدالبر(م463ھ)وغیرہ نےاس فن کے حوالے سے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں راویوں کی جرح وتعدیل اور اسناد کے اتصال وانقطاع کے موضوعات محدثین کے درمیان کافی زیر بحث رہے۔اس دور کے علمائے جرح وتعدیل میں ابوالحسن رزین(م525ھ)، ابن جوزی(م597ھ)، محمد بن اثیر جزری(م606ھ)،وغیرہ مشہور ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں علم جرح وتعدیل کے حوالے سے امام ذہبی (م748ھ)کانام اور کام نمایاں حیثیت رکھتا ہے،نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر عسقلانی(م852ھ) کی خدمات اس حوالے سے نمایاں

ہیں، جبکہ دسویں صدی ہجری میں جلال الدین سیوطی(م911ھ) تصنیف وتالیف کے لحاظ سے سر فہرست ہیں۔

اس کے بعد بھی علم جرح وتعدیل کے حوالے سے کام ہوتا رہا لیکن وہ دسویں صدی ہجری تک ہونے والے کام سے ہی استفادے کے بعد سامنے آیا۔

کتب جرح وتعدیل

جرح وتعدیل پر لکھی جانے والی کتابوں میں کچھ صرف ضعیف راویوں کے بارے میں ہیں جیسے امام بخاری(م256ھ) کی کتاب "الضعفاء الصغیر" اور کچھ صرف ثقہ راویوں کے بارے میں ہیں جیسے ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی (م261ھ) کی کتاب "کتاب الثقات" جبکہ کچھ دونوں کے بارے میں ہیں جیسے علامہ عبدالحیی لکھنوی(م1304ھ) کی کتاب "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل"۔

علم جرح وتعدیل پر لکھی گئی چند اہم کتابوں کا تعارف درج ذیل ہے:

1۔ التاریخ والعلل

یہ کتاب جرح وتعدیل کے مشہور امام یحی بن معین (م233ھ) کے اقوال کا مجموعہ ہے جو ان کے شاگرد ابوالفضل عباس بن محمد الدوری نے نقل کیے ہیں اور ان پر کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔

2۔ الجرح والتعدیل

یہ عبدالرحمان بن ابی حاتم الرازی(م327ھ) کی تصنیف ہے۔ان کی یہ کتاب فن جرح وتعدیل کی ایک نہایت جامع اور اہم کتاب ہے۔انہوں نے اس کتاب کے شروع میں جرح وتعدیل کے بارے میں ایک بہت مفید مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جس کا نام "تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل" رکھا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت اور طلبہ کے فائدے کے پیش نظر اس کا تفصیلی تعارف اور منہج ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علمائے جرح وتعدیل نے اس حوالے سے کتنی محنت اور باریک بینی سے کام لیا ہے اور

کتاب لکھنے میں وہ کیا اسلوب اور طریقہ کار اپناتے تھے۔

1۔ آپ نے کتاب کے آغاز میں طویل مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں سنت کی اہمیت، صحیح اور ضعیف احادیث میں ثقہ اور ضعیف راویوں کے ذریعے سے فرق کرنے کا طریقہ، راویوں کے مراتب اور طبقات، صحابہ، تابعین، تبع تابعین کا تعارف، نقاد اہل علم کے حالات زندگی اور انہیں چار طبقات میں تقسیم کرنے کے بعد ان کے تفصیلی علمی کوائف و واقعات بیان کئے ہیں، مقدمہ کے آخر میں اپنے والد ابو حاتم اور ابو زرعہ کے حالات بیان کیے ہیں جو کہ بہت بڑے محدث اور علوم حدیث کے امام تھے۔

2۔ کتاب کی ترتیب میں حروف معجم کا لحاظ رکھا گیا ہے، راوی کے نام کے پہلے حرف اور والد کے نام کے پہلے حرف کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، صحابہ کرام کے حالات میں یہ ترتیب نہیں ہے۔

3۔ آپ نے ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کو زمانی ترتیب پر جمع کیا ہے۔

4۔ آپ نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں تمام رواۃ کا ذکر ہو جائے۔

5۔ ہر قول کو اس کے قائل (کہنے والا) کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

6۔ رجال پر حکم لگانے میں خود بھی اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔

7۔ آپ نے راسخین فی العلم کے اقوال پر ''اقتفاء'' کیا ہے جو اس فن کے امام نہیں ان کی طرف التفات نہیں کیا ہے۔

8۔ ایک ہی راوی کے بارے میں اگر کسی امام کے متضاد اقوال ہوں تو وہ جسے صحیح سمجھتے ہیں اسے ذکر کرتے ہیں اور دوسرے اقوال کو نظر انداز کرتے ہیں۔

9۔ بعض دفعہ ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال میں موازنہ کرتے ہیں۔

10۔ آپ ترجمہ یعنی راوی کے حالات میں راوی کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات مہیا کرتے ہیں راوی کا نام، والد کا نام، بعض دفعہ دادا کا نام، کنیت، نسبت، شیوخ اور تلامذہ کے نام، بعض مرتبہ راوی کی

بعض روایات، ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال، بعض دفعہ تجریح کا سبب، مقام سکونت راوی، علمی اسفار، بعض دفعہ زمانہ سفر، بعض راویوں کی اخلاقی، جسمانی، اور عقلی صفات، اور اگر راوی کا عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہو تو اس کے عقائد بھی بیان کرتے ہیں، راوی کے زمانے میں ہونے والے واقعات میں راوی کا موقف، راوی کا پیشہ، خصوصاً قضا کا شعبہ وغیرہ تاکہ اس کی پہچان میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

11۔ ابن ابی حاتم نے نقاد کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے پہلے طبقے میں مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، شعبہ بن حجاج، حماد بن زید اور اوزاعی دوسرے طبقے میں یحی بن سعید القطان، عبدالرحمن بن مہدی، عبداللہ بن مبارک، ابواسحاق فزاری تیسرے طبقے میں احمد بن حنبل، یحیی بن معین، علی بن عبداللہ مدینی، محمد بن عبداللہ بن محمد، چوتھے طبقے میں ابوزرعہ رازی اور ابوحاتم رازی شامل ہیں۔

3۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال

یہ کتاب حافظ شمس الدین الذھبی (م748ھ) نے لکھی ہے۔ اس میں گیارہ ہزار سے زیادہ رواۃ حدیث کے حالات ہیں۔ ضعیف راویوں کے متعلق لکھی گئی کتابوں میں اس کتاب کا درجہ بہت زیادہ ہے۔

4۔ تھذیب التھذیب

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے راویوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بھی جرح وتعدیل کے حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں امتیازی مقام رکھتی ہے۔

خود آزمائی

سوال نمبر1۔ جرح وتعدیل کا معنی ومفہوم بیان کریں۔

سوال نمبر2۔ جرح وتعدیل کی ضرورت واہمیت اور شرعی حیثیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر 3۔ مقبول راوی کی شرائط اور رواۃ حدیث پر جرح کے اسباب بیان کریں۔

سوال نمبر 4۔ تعدیل اور جرح کے مختلف درجات اور ان کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ لکھیں۔

سوال نمبر 5۔ تعدیل اور جرح کی قبولیت کی شرائط تحریر کریں۔

سوال نمبر 6۔ اجتماع جرح و تعدیل کی صورت میں کسے ترجیح حاصل ہو گی؟

سوال نمبر 7۔ علماء و کتب جرح و تعدیل پر مفصل مضمون لکھیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمرو عبد المنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624، ایم اے، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبد الرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبد الرؤوف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

یونٹ نمبر ⑨

علم تخریج الحدیث

تالیف: ابتسام الرحمان

نظرثانی: ڈاکٹر محمد شاہد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ''علم تخریج الحدیث'' سے ہے۔ علم تخریج الحدیث علوم الحدیث میں اپنا امتیازی مقام رکھتا ہے کیونکہ اس علم کے ذریعے حدیث کے ثانوی مصادر سے مصادر اصلیہ تک رسائی ہوتی ہے اس یونٹ میں تخریج الحدیث کا معنی و مفہوم، ضرورت و اہمیت، تخریج حدیث کے طریقے اور کتب تخریج حدیث کے حوالے سے اہم اور ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جن سے طلبہ و طالبات کو اس موضوع کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اس یونٹ میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بنیادی مواد جمع کیا گیا ہے ۔ آپ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ تخریج الحدیث کا معنی و مفہوم واضح کر سکیں۔
2۔ تخریج الحدیث کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈال سکیں۔
3۔ تخریج حدیث کے طریقے بیان کر سکیں۔
4۔ کتب تخریج حدیث کا تعارف کروا سکیں۔

9۔ علم تخریج الحدیث

9.1- تخریج الحدیث کا معنی و مفہوم

تخریج کا لغوی معنی

"تخریج" کے لغوی معنی ہیں ظہور اور کھل کر سامنے آنا۔

تخریج کا اصطلاحی مفہوم

محدثین کی اصطلاح میں "تخریج" سے مراد کسی حدیث کا پوری سند کے ساتھ نقل کرنا ہے۔

شیخ جمال الدین قاسمی اپنی کتاب "قواعد التحدیث" میں لکھتے ہیں: اکثر و بیشتر علماء حدیث جب روایت کرتے ہیں تو اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس کی "تخریج" فلاں شیخ نے کی۔ تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس شیخ نے اس حدیث کو ذکر کیا۔

اگر کسی حدیث کو اس شیخ کی طرف منسوب کیا جائے جس نے اپنے احادیث کے مجموعہ میں اسے پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہو تو اسے بھی "تخریج" کہتے ہیں۔

شیخ مناوی نے اپنی کتاب "فیض القدیر" میں تخریج کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: روایت کو ان ائمہ حدیث کی طرف منسوب کیا جائے جنہوں نے ان احادیث کو جوامع، سنن، اور مسانید میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

علم تخریج الحدیث کے متعلق ائمہ حدیث کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے حدیث کے مآخذ تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور قابل قبول یا قابل رد ہونے کے لحاظ سے اس (حدیث) کی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔

تخریج حدیث کی عملی صورت

کسی ثانوی مصدر میں موجود حدیث کی تخریج کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اصل مآخذ کی نشاندہی کی جائے، مثلا ریاض الصالحین اور مشکوۃ المصابیح حدیث کے ثانوی مصادر ہیں جنہوں نے احادیث بنیادی مصادر مثلاً صحیح

بخاری و مسلم وغیرہ سے لی ہیں تو ریاض الصالحین کی کسی حدیث کی تخرج کے دوران اس کا اصل ماخذ تلاش کیا جائے گا۔اب اگر وہ حدیث مثلاً صحیح مسلم کی کتاب الصوم میں پائی گئ تو کہیں گے "اخرجه مسلم فی کتاب الصوم" اس کے بعد جس باب کے تحت حدیث آئی ہو اس کا عنوان لکھیں گے پھر اگر ہو سکے تو صفحہ کا نمبر دیں گے ، اگر حدیث کا نمبر موجود ہے تو وہ نمبر بتائیں گے ، کتاب جہاں سے چھپی ہے اس مطبع کی نشاندہی کریں گے ، جس سال کتاب چھپی ہے اس سال کے بارے میں بتائیں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ اس کا کون سا ایڈیشن ہے۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی رائے بتائیں گے اور صحت و ضعف کے اعتبار سے اس کی جو حیثیت ہو اس کو واضح کریں گے۔ حدیث کی سند میں انقطاع، ارسال اور اضطراب وغیرہ ہو تو اس کا بھی ذکر کریں گے۔ تخریج کرتے وقت جتنی زیادہ محنت کی جائے گی اور اس حدیث کے بارے میں جتنی زیادہ معلومات جمع کی جائیں اتنی ہی تخریج کی وقعت اور قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔

بعض اوقات سند کو چھوڑ کر صرف متن حدیث کی تخریج کی جاتی ہے کہ یہ متن حدیث کے کس کس امام نے کون کون سے صحابی کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

تخریج کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تخریج کے دوران اگر مآخذ میں بعینہ ان الفاظ کے ساتھ حدیث نہ ملے تو الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یا اس کے ہم معنی حدیث ہی ذکر کر دی جائے اور اس کی وضاحت کر دی جائے۔

9.2- علم تخریج الحدیث کی ضرورت واہمیت

علم تخریج الحدیث کے ضروری واہم ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

1۔ تخریج کے بغیر حدیث کے بنیادی اور اصل مآخذ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

2۔ تخریج کے ذریعے ہی حدیث کی مختلف اسناد کا تقابل کیا جا سکتا ہے کہ کس حدیث کے راوی ثقہ یا زیادہ ثقہ ہیں۔

3۔ تخریج کے ذریعے حدیث کی مختلف اسناد معلوم ہوتی ہیں جس کے بعد ہی حدیث کا صحیح درجہ متعین ہو سکتا ہے کیونکہ بعض اوقات حدیث کی ایک سند میں کوئی کمی ہوتی ہے لیکن اسی حدیث کی دوسری سند میں وہ کمی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے حدیث قابل قبول ہو جاتی ہے۔

4۔ بعض اسناد کے راوی مہمل ہوتے ہیں جیسے عن سعد یا حدثنا محمد وغیرہ۔ تخریج کے ذریعے راوی کی تفصیل معلوم کر کے یہ اہمال دور کیا جاتا ہے۔

5۔ اسی طرح بعض اوقات راوی کا نام ہی مذکور نہیں ہوتا بلکہ عن رجل یا جاء رجل وغیرہ ہوتا ہے، تخریج کے ذریعے اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے۔

6۔ جس سند میں راوی نے "عن" کا لفظ استعمال کیا ہو (ایسی سند کو معنعن کہا جاتا ہے) اس صورت میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ راوی نے اپنے شیخ سے کس طرح استفادہ کیا ہے (استفادے کی مختلف صورتیں یونٹ نمبر 3 میں تحمل حدیث کے عنوان کے تحت گذر چکی ہیں) اس میں انقطاع (حدیث کی سند کے درمیان سے کسی راوی کا چھوٹ جانا) کا احتمال ہوتا ہے اس لیے علمائے حدیث ایسی روایت کو بغیر تحقیق کے قبول نہیں کرتے۔ تخریج کے ذریعے جب "عن" والی حدیث کی مختلف اسناد جمع ہو جاتی ہیں تو عام طور پر کسی نہ کسی سند میں اس "عن" کی وضاحت مل جاتی ہے اور اس طرح صرف ایک سند کی وجہ سے انقطاع کا جو احتمال پیدا ہوا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔

7۔ حدیث کے بعض راویوں کے بارے میں علمائے رجال نے لکھا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں یا کسی بیماری کی وجہ سے وہ "ضابط" نہیں رہے تھے یعنی ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ ایسے راوی کے بارے میں تخریج کے ذریعے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اس کی کون سی روایت حافظہ کمزور ہونے سے پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی۔ پہلے والی روایات مقبول ہوں گی اور بعد والی غیر مقبول۔

8۔ حدیث کے راویوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں اور کئی ایسے ہیں جن کی کنیت ایک جیسی ہے۔ جس کی وجہ سے راوی کی تعیین مشکل ہو جاتی ہے۔ تخریج کے ذریعے راوی کی کنیت، اس کا نام اور دیگر تفصیلات بھی سامنے آ جاتی ہیں جس سے راوی کی تعیین اور پہچان میں آسانی ہوتی ہے۔

9۔ بعض اوقات حدیث کے ایک متن میں کمی ہوتی ہے جبکہ دوسرے طریق سے آنے والے متن میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہوتا ہے۔ جس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ متن کے ضبط (محفوظ کرنا) میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک راوی نے متن میں وضاحت کے لیے الفاظ و کلمات کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہو۔ تخریج کے ذریعے اس قسم کے اختلافات اور شبہات کی وضاحت ہو جاتی ہے اور روایت کے متن کی اصل تصویر نمایاں ہو جاتی ہے۔

10۔ ذخیرہ حدیث میں ایسے الفاظ و کلمات موجود ہیں جن کے صحیح مفہوم کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ عام طور پر اس قسم کے الفاظ و کلمات اگر ایک سند کے متن میں آئے ہوں تو دوسری سند کے متن میں ان کی وضاحت موجود ہوتی ہے۔ تخریج کے ذریعے ایک حدیث کی مختلف اسناد کی وضاحت سے اس قسم کی دقتیں حل ہو جاتی ہیں اور محقق آسانی سے اس متن کا مفہوم سمجھ لیتا ہے جس میں غریب کلمات اور مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہوں۔

9.3- تخریج حدیث کے طریقے

محققین حدیث کے ہاں تخریج کے کئی طریقے رائج ہیں جن میں سے چند اہم اور مشہور طریقے درج ذیل ہیں:

مطلع حدیث کے ذریعے تخریج

مطلع حدیث سے مراد متن حدیث کا پہلا لفظ ہے۔ جن حضرات نے مطلع حدیث کی بنیاد پر روایات کو جمع کیا ہے انہوں نے پہلے حرف کو مد نظر رکھا ہے۔ مثلاً جن متون کی ابتدا میں "الف" ہے ان کو پہلے جمع کیا ہے، پھر "با" پھر "تا" اور اسی طرح "یا" تک حروف کی ترتیب کے ساتھ احادیث جمع کی ہیں۔

جب آپ اس قسم کے مصادر تخریج سے استفادہ کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ آپ کو مطلوب متن کا مطلع یعنی پہلا حصہ یاد ہو اگر آپ کو حدیث کا مطلع پوری طرح یاد نہ ہو تو اس طریقہ تخریج سے استفادے کے لیے

ضروری ہے کہ کم از کم اس کا ابتدائی حرف آپ کو پتہ ہو جیسے حدیث "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار "اس حدیث کو" باب المیم "اور "میم مع النون" میں تلاش کیا جائے گا۔

اس طریق تخریج کے مطابق لکھی گئی چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

1- الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر لجلال الدین السیوطی-

2- "جمع الجوامع" یا "الجامع الکبیر" لجلال الدین السیوطی-

3۔ الحقائق فی حدیث خیر الخلائق لعبد الرؤوف المناوی-

4۔ المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة لشمس الدین السخاوی-

الفاظ حدیث کے ذریعے تخریج

تخریج حدیث کا دوسرا منہج "الفاظ حدیث" کے ذریعے تخریج ہے۔عام طور پر اس طریقے کے مطابق جن مولفین نے روایات جمع کی ہیں انہوں نے ایسے الفاظ کو پیش نظر رکھا ہے جن کے ذریعے بآسانی حدیث کے متن تک رسائی ہو سکے۔اس اسلوب کے مطابق تخریج کرتے وقت متن حدیث کا کوئی لفظ معلوم ہونا چاہیے۔ اگر متن حدیث میں کوئی مشکل لفظ استعمال ہوا ہو تو اس کو بنیاد بنا کر حدیث کو تلاش کرنا چاہیے۔اس طریقے میں حروف کے ذریعے متن تلاش کرنا مفید نہیں۔اس طریقے کے مطابق لکھی گئی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی لدکتور ونسنک۔

2۔ فہرس صحیح مسلم لفواد عبد الباقی۔

3۔ فہرس سنن ابی داود لشیخ مصطفی البیومی۔

راوی کے ذریعے تخریج

تخریج کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تخریج میں آخری راوی یعنی صحابی کو دیکھا جائے۔اگر سند میں ارسال ہو تو تابعی کو دیکھا جائے۔جن مؤلفین نے اس منہج کے تحت کتابیں جمع کی ہیں انہوں نے صحابہ کرام کی ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے۔ہر صحابی سے جتنی روایات منقول ہیں انہیں اس صحابی کے نام کے عنوان تحت جمع کیا ہے مثلاً ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ سے جتنی احادیث منقول ہیں انہیں ابو بکر صدیق کے عنوان کے تحت، عمر رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کو ان کے نام کے تحت اسی طرح باقی صحابہ کرام کی روایات اسی ترتیب سے جمع کیا ہے۔

اس منہج کے تحت کسی حدیث کی تخریج کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آخری راوی یعنی صحابی اور ارسال کی صورت میں تابعی کا نام معلوم ہو۔

اس اسلوب کے تحت لکھی گئی کتابوں میں تمام کتب الاطراف (حدیث کی وہ کتابیں جن میں مختلف مصادر حدیث کی روایات صحابہ کرام کی ترتیب کے مطابق جمع کی گئی ہوں۔،اسانید مکمل دی گئی ہوں لیکن متن کا صرف ایک حصہ دیا گیا ہو) اور مسانید (اس میں بھی ہر صحابی کی مرویات الگ جمع کی جاتی ہیں لیکن حدیث کا پورا متن ذکر کیا جاتا ہے) ان میں سے چند مشہور کے نام درج ذیل ہیں:

1- تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف لجمال الدين المزي۔

2۔ النكت الظراف على الاطراف لابن حجر عسقلاني۔

3۔ ذخائر المواريث في الدلالة على موضع الحديث لعبد الغني النابلسي۔

4۔ مسند الامام احمد بن حنبل لاحمد بن حنبل-

تخریج باعتبار موضوع

یہ تخریج حدیث کا چوتھا طریقہ ہے۔اس اسلوب کے مطابق جو کتابیں مرتب کی گئی ہیں ان میں روایات کو موضوع اور مضمون کے لحاظ سے جمع کیا گیا ہے۔اس قسم کی کتابوں کے ذریعے حدیث کی تخریج کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کا مضمون و مفہوم معلوم ہو۔

اس اسلوب کے مطابق جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے دو مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

1- كنز العمال في سنن الاقوال و الافعال لشيخ على المتقي-

2- مفتاح كنوز السنة لدكتور ونسنك-

9.4- کتب تخریج حدیث

تخریج الحدیث پر علمائے حدیث نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کی طرف رجوع کر کے مطلوبہ احادیث کو آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے، ان میں سے چند اہم تصانیف کا تعارف درج ذیل ہے:

"جمع الجوامع" یا "الجامع الکبیر"

یہ امام جلال الدین سیوطی کی تالیف ہے۔ اس میں انہوں نے اس بات کو شش کی کہ حدیث کے بنیادی مصادر میں موجود تمام روایات کو شامل کریں۔

امام سیوطی نے اس کتاب میں احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ قولی احادیث 2۔ فعلی احادیث۔

قولی احادیث کو آپ نے حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق جمع کیا اور فعلی احادیث میں صحابہ کرام کی ترتیب کو مد نظر رکھا۔ مثلاً پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی تمام فعلی احادیث کو جمع کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر باقی عشرہ مبشرہ (وہ دس صحابہ کرام جنہیں ایک ہی مرتبہ میں نام لے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث نقل کیں۔

امام سیوطی نے جن مصادر حدیث سے روایات لی ہیں ان کی نشاندہی رموز اور علامات کے ذریعے کی ہے مثلاً "خ" صحیح بخاری کے لیے، "م" صحیح مسلم کے لیے، "حب" صحیح ابن حبان کے لیے، "ک" مستدرک حاکم کے کیے، "ض" مختارہ ضیاء مقدسی کے لیے، "د" سنن ابی داود کے لیے، "ت" جامع ترمذی کے لیے، "ن" سنن نسائی کے لیے، "ہ" سنن ابن ماجہ کے لیے، "ط" مسند ابو داود طیالسی کے لیے، "حم" مسند امام احمد کے لیے، "عب" مصنف عبد الرزاق کے لیے، "ش" مصنف ابن ابی شیبہ کے لیے، "طب" معجم طبرانی الکبیر کے لیے، "طس" معجم طبرانی الاوسط کے لیے، "ق" سنن بیھقی کے لیے، "عق" الضعفاء للعقیلی کے لیے، "عد" الکامل

لابن عدی کے لیے وغیرہ وغیرہ

مؤلف نے ہر روایت کا استنادی درجہ بھی بتایاہے اور بعض مقامات پر عمدہ اور تفصیلی گفتگو بھی کی ہے جس سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔

امام سیوطی اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ ایک بہت اہم اور وقیع کتاب ہے اور اس فن کے اہم مصادر کا لب لباب ہے، اس میں احادیث کی بہت بڑی تعداد موجود ہے، میں نے پوری کوشش کی ہے کہ جتنی احادیث ہوسکتی ہیں وہ اس میں شامل ہوں، یہ دراصل اسناد اور متون تک رسائی کا ایک عمدہ ذریعہ ہے"۔

اس کتاب کی بنیاد پر احادیث کی تخریج کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائی گا کہ جس حدیث کی تخریج کرنی ہے وہ قولی ہے یا فعلی۔ اگر حدیث قولی ہے تو اسے قولی احادیث کے تحت تلاش کیا جائے گا، اور اگر حدیث فعلی ہے تو اس کے آخری راوی یعنی صحابی کا نام معلوم ہونا ضروری ہے اس لیے کہ فعلی احادیث کو مؤلف نے صحابہ کرام کی ترتیب کے مطابق جمع کیا ہے۔

تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف

یہ کتاب حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن المزی کی ہے۔ اس سے پہلے مختلف مصادر حدیث کے اطراف پر کام ہوچکا تھا۔ آپ نے ان مصادر کے علاوہ دیگر مآخذ کی روایات کو بھی اس میں شامل کر دیا اور روایات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا۔

مؤلف نے ان صحابہ کرام اور صحابیات کے نام جمع کیے جن کی مرویات مصادر حدیث میں منقول ہیں، یہ تعداد تقریبا986 ہے۔ ان تابعین کے نام بھی جمع کیے جن کی مرویات مرسل اور مقطوع کی شکل میں مصادر میں موجود ہیں۔ یہ تعداد 405 ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین کے ناموں کو حروف کی ترتیب کے مطابق جمع کیا اور اس صحابی یا تابعی کے نام کے تحت ان تمام مرویات کو جمع کیا جو ان سے منقول ہیں۔ ان روایات کی مجموعی تعداد 19595 بنتی ہے۔

المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث النبوی

اس تالیف کی ابتداء لیدن یونی ورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ونسنک نے کی بعد میں کئی اور اساتذہ نے ان کا ساتھ دیااور اس طرح یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔اس کتاب میں مندرجہ ذیل نو(9) مصادر حدیث کے الفاظ کو بنیاد کر روایات کو جمع کیا گیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری۔2۔ صحیح مسلم۔3۔ سنن الترمذی۔4۔ سنن ابوداود۔5۔ سنن نسائی۔

6۔ سنن ابن ماجہ۔7۔ سنن دارمی۔8 موطاامام مالک۔9۔ مسند امام احمد۔

اس کتاب سے تخریج کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے متن میں سے کوئی ایک لفظ منتخب کر کے یا کوئی اصطلاح استعمال ہوئی ہو تو اسے بنیاد بنالیا جائے اور اس لفظ کے پہلے حرف کو ترتیب کے مطابق اس کتاب میں دیکھ لیں تو حدیث مل جائے گی۔ مثلاً اگر حدیث "لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ" کی تخریج کرنی ہو تو اس میں سے لفظ "یحب" لے لیں اسے "حاء مع الباء" میں تلاش کیا جائے گا۔

کتاب کے شروع میں استفادے میں آسانی کے لیے رموز اور علامات لکھی گئی ہیں انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال

یہ شیخ علی بن حسام الدین عبدالملک بن قاضی خان المتقی کی تالیف ہے۔ مؤلف نے حافظ سیوطی کی "الجامع الکبیر" (جمع الجوامع) "زیادۃ الجامع" اور "الجامع الصغیر" کی روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔اس طرح ان روایات کی تعداد چھیالیس ہزار بن جاتی ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے روایات کو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق جمع کیا ہے جبکہ شیخ متقی نے ان روایات کو ابواب اور موضوعات کے تحت جمع کیا ہے۔ اگرچہ شیخ متقی نے روایات کو ابوب کے تحت مضامین کے اعتبار سے جمع کیا ہے لیکن ان ابواب میں آپ نے حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے۔ مثلا وہ موضوعات جن کی ابتداء ہمزہ سے ہوتی ہے انہیں پہلے رکھا پھر جن کی ابتداء "باء" سے ہوتی ہے ان کو رکھا اسی طرح پھر "تاء" "ثاء" اور

"جیم" وغیرہ۔

کنز العمال کے ذریعے حدیث کی تخریج کرنے کے لیے پہلے یہ دیکھیں گے کہ مطلوبہ حدیث کس موضوع سے تعلق رکھتی ہے؟ حدیث کا موضوع معلوم ہو جانے کے بعد کتاب کی فہرست دیکھیں گے تو اس سے متعلقہ باب تک رسائی ہو جائے گی اور مزید تھوڑی سی غور و فکر اور مطالعے کے بعد مطلوبہ حدیث مل جائے گی۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ سائنسی ترقی کی بدولت آج کل تخریج کے نئے اور تیز رفتار طریقے دستیاب ہیں جن کے ذریعے مکتبہ شاملۃ وغیرہ میں موبائل یا کمپیوٹر پر ایک بٹن دبا کے آپ بہت سی معلومات کم سے کم وقت میں حاصل کر سکتے ہیں، ان طریقوں سے بھی استفادہ کرنا چاہیے، لیکن اس کی وجہ سے کتابوں سے تعلق کمزور نہیں ہونا چاہیے بلکہ کتابوں کے مطالعے اور ان سے تعلق کے بغیر ایک طالب علم صحیح معنوں میں طالب علم نہیں بن سکتا۔

خود آزمائی

سوال نمبر 1۔ تخریج الحدیث کا معنی و مفہوم واضح کریں۔

سوال نمبر 2۔ تخریج الحدیث کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر 3۔ تخریج حدیث کے طریقے بیان کریں۔

سوال نمبر 4۔ کتب تخریج حدیث کا تعارف کروائیں۔

کتابیات

1۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی

2۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

3۔ تدریب الراوی للسیوطی

4۔ الکفایۃ فی اصول علم الروایۃ للخطیب

5۔ معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن صلاح

6۔ نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

7۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

8۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی

9۔ مباحث علم حدیث از مولانا یوسف بنوری

10۔ تاریخ ادب حدیث از ڈاکٹر علی اصغر چشتی

11۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر صبحی صالح

12۔ تیسیر علوم الحدیث للمبتدئین لعمرو عبدالمنعم سلیم

13۔ قواعد و مصطلحات حدیث (کورس کوڈ 4623 و 4624، ایم اے، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مؤلفین: ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر معین الدین ہاشمی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر تاج الدین ازہری، محمد شریف شاکر

14۔ آثار الحدیث ڈاکٹر خالد محمود

15۔ تاریخ تدوین حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی

16۔ علوم الحدیث ایک تعارف از محمد مبشر نذیر

17۔ معجم اصطلاحات حدیث از ڈاکٹر سہیل حسن

18۔ رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول از مولانا خیر محمد جالندھری

19۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی از مولانا ابوالحسن علی ندوی

20۔ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

21۔ Introduction to Al Hadith by Dr Rafiq Ahmed

9۔

کتب حدیث کی اقسام

1) الجوامع

2) السنن

3) المسانید

4) المعاجم

5) مصنفات

6) اربعین

7) جز

8) صحائف

9) کتب الجمع

10) المستدرک

11) کتب التخریج

12) کتب الفھارس

13) کتب الضعفاء

14) کتب العلل

15) کتب الثقات

2- اقسام کتب حدیث

الجامع

یہ حدیث کی ایسی کتب ہیں جن میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق احادیث ہوتی ہیں اس کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

عقائد، احکام، سیر، آداب، تفسیر، مغازی، فتن، مناقب۔

جیسے الجامع الصحیح البخاری

الجامع صحیح المسلم

الجامع الترمذی

سیر جمع ہے اور اس کی واحد سیرت ہے۔ اس سے مراد ایسے مضامین ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے متعلق ہوں

آداب ادب کی جمع ہے اس سے مراد زندگی گزارنے کے آداب ہیں۔ جن میں کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، لباس گفتگو اور عبادت وغیرہ کے آداب شامل ہیں۔

عقائد عقیدہ کی جمع ہے احادیث عقائد سے مراد ایسی احادیث ہیں جن کا تعلق ایمانیات سے ہے۔ مثلا اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان، تقدیر پر ایمان وغیرہ شامل ہیں۔

فتن فتنہ کی جمع ہے اس مراد ایسا بڑے واقعات ہیں جن کی پیشگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمائی۔

اشراط سے ایسی علامات قیامت مراد ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امت کو بتایا ہے۔

احکام سے ایسے عملی احکام مراد ہیں جن کا تعلق فقہ سے ہے۔

مناقب منقبت کی جمع ہے۔ اس سے مراد ایسی روایات ہیں جن میں صحابہ کرام اور صحابیات اور قبائل و طبقات کے فضائل شامل ہیں۔

حدیث کی جن کتابوں میں مذکورہ مضامین کے متعلق روایات جمع کی گئی ہوں تو ان کتب کو اصطلاح میں جامع کہا جاتا ہے۔

کتب جامع

جامع معمر بن راشد الیمنی

یہ کتاب پہلے صدی ہجری میں مرتب ہوئی۔ اس کو ترتیب دینے والے معمر بن راشد الیمنی ہیں جو امام زہری کے معروف شاگرد ہیں۔

جامع سفیان ثوری

اس کے مصنف سفیان بن سعید ثوری ہیں۔

جامع عبد الرزاق بن ہمام

یہ کتاب مصنف عبد الرزاق کے نام سے مشہور ہے۔ عبد الرزاق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

الجامع الصحیح للبخاری

یہ حدیث کے مشہور متداول کتاب ہے۔ صحت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام ہونے کی بنا پر یہ کتاب عوام وخواص میں مشہور ہے۔

جامع ترمذی

یہ حدیث کی مشہور و مقبول کتاب ہے۔ یہ کتاب احکام اور سنن کا ایک ذخیرہ ہے۔ اس میں احادیث کو بہت عمدگی سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں طوالت کی بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

السنن

یہ حدیث کی ایسی کتب ہیں جن میں احادیث کو فقہی ترتیب کے مطابق جمع کیا جاتا ہے۔ فقہی ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے طہارت سے متعلق احادیث، اس کے بعد نماز سے متعلق احادیث، اس کے بعد زکوۃ، اس کے بعد روزہ، حج، جہاد سے متعلق روایات ہوں۔

جیسے سنن اربعہ یعنی سنن ابی داود سنن نسائی سنن ترمذی سنن ابن ماجہ۔

ان کے علاوہ سنن کی مشہور کتب درج ذیل ہیں

سنن بیہقی سنن دارمی سنن دار قطنی سنن سعید بن منصور وغیرہ

المعجم

جس کتاب میں احادیث کو اساتذہ کی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا ہو۔

یعنی اس میں کتاب کا مؤلف اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب ہجائی سے احادیث کو جمع کرتا ہے۔

جیسے امام طبرانی کی المعجم الکبیر

اس کتاب میں صحابہ کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔

المعجم الاوسط

اس کتاب میں شیوخ کی ترتیب سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

المعجم الصغیر

اس کتاب میں امام طبرانی نے اپنے ہر شیخ کی ایک روایت لی ہے۔

المستدرک

مستدرک وہ کتاب ہوتی ہے جس میں مؤلف نے کسی دوسری کتاب کی ایسی چھوٹ جانے والی روایات کو جمع کیا ہو جو اس کتاب کے مصنف کی شرط کے مطابق تھیں۔

جیسے امام حاکم کی کتاب المستدرک علی الصحیحین

اس کتاب میں امام حاکم نے ان روایات کو جمع کیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرائط پر پورا تو اترتی ہیں لیکن کسی بھی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے ان کو اپنی کتب میں ذکر نہیں کیا۔

المستخرج

ایسی کتاب جس میں مؤلف نے کسی دوسرے محدث کی روایات کو اپنی سند سے روایت کیا ہو۔ یہ روایات کبھی استاد پر اور کبھی استاد کے استاد پر مل کر ایک ہو جاتی ہیں۔ جیسے مستخرج ابی عوانہ

المسند

اس سے حدیث کی وہ کتاب مراد ہے جس میں احادیث صحابہ کرام کی ترتیب سے جمع کی جاتی ہیں اور ان میں احادیث کے موضوع کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

ان کتابوں میں ایک صحابی کی تمام مرویات کو جمع کیا جاتا ہے۔ ان احادیث کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہو یا کسی بھی باب سے ہو البتہ صحابہ کرام میں جو ترتیب ہوتی ہے کبھی اس میں حروف تہجی کے اعتبار ہوتا ہے کبھی سبقت اسلام کا ہوتا ہے کبھی طبقات کی ترتیب ہوتی ہے۔

سب سے پہلے مسند نعیم بن حماد کی ہے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا اور مسانید لکھی جاتی رہیں۔ چند مشہور مثالیں درج ذیل ہیں

مسند احمد بن حنبل

مسند عبد بن حمید

مسند حمیدی

مسند بزار

مسند سراج

مسند اسحٰق بن راہویہ

مسند ابن ابی شیبہ

مسند حارث

مسند رویانی

مسند شافعی

مسند ابویعلی

مسند ابی حنیفہ

مسند عبد اللہ بن مبارک

الموطا

موطا کا معنیٰ ہے روندا ہوا۔ یعنی جس کی طرف آئمہ کرام اور علماء چلے ہوں اور اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اس سے اتفاق کیا ہو۔

جیسے موطا امام مالک

موطا امام محمد

المصنف

ایسی کتاب جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور اس نے احادیث مرفوعہ، موقوفہ اور مفتوح سب شامل ہوں نیز ان کتب میں تابعین اور تبع تابعین کے فتاوی بھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ بہت اہمیت کی حامل کتب ہیں جن میں احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔

جیسے مصنف عبد الرزاق الصنعانی

مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ

کتب تخریج

ایسی کتاب جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کو حوالہ کے ساتھ ذکر کیا جائے جن کا حوالہ پہلے سے موجود نہیں ہوتا مثلا تخریج احادیث بیضاوی۔

اس کتاب میں تفسیر بیضاوی میں مذکور احادیث کے بنیادی مصادر کو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حدیث کتب احادیث میں سے فلاں فلاں جگہ اور فلاں فلاں کتاب میں موجود ہے۔

نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایہ

اس کتاب میں ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔ ہدایہ فقہ کی ایک کتاب ہے جس میں مذکور احادیث با حوالہ نہیں ہیں۔ نصب الرایہ میں ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔ اس کے مصنف جمال الدین ذیلعی ہیں۔

الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔ اس میں بھی ہدایۃ کی احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

تخریج احیاء علوم الدین

اس کتاب کے مصنف حافظ زین الدین عبد الرحیم عراقی ہیں۔ اس کتاب میں امام غزالی کی احیاء العلوم میں موجود احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

کتب الجمع

ایسی کتاب میں جن میں ایک سے زائد کتب حدیث کی احادیث کو جمع کر دیا جائے۔ ان کتب میں روایات کو مقرر ذکر نہیں کیا جاتا۔ اس نوعیت کی سب سے پہلی کتاب الجمع بین الصحیحین ہیں جس کے مصنف امام حمیدی ہیں۔ اس کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو جمع کیا گیا ہے اور مکرر روایات کو حذف کر دیا گیا ہے۔

تجرید الصحاح الستہ

اس کتاب میں سیاست کی تمام احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے اور سیاست کی چھٹی کتاب میں سنن ابن ماجہ کی بجائے موطاامام مالک کی روایات کو لیا گیا ہے۔

جامع الاصول

اس کتاب میں بھی سیاست کی روایات کو جمع کیا گیا ہے اور اس کتاب کے مصنف حافظ ابن الاثیر الجزری ہیں۔

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد

یہ کتاب علامہ نورالدین ہیثمی کی ہے اس کتاب میں سیاست کی روایات کو نہیں لیا گیا۔ اس کتاب میں مسند احمد مسند ابویعلی المعجم الکبیر المعجم الاوسط المعجم الصغیر کی روایات کو جمع کیا گیا ہے

مجمع الفوائد

اس کتاب میں جامع الوصول اور مجمع الزوائد کی تمام احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے لیکن روایات کو مکرر ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کتاب میں سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی کی روایات کو بھی لیا گیا ہے۔ یہ کتاب حدیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

خطبہ جمعہ میں کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں احادیث کو ابواب کی بجائے حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے ان میں فردوس الدیلمی سر فہرست ہے

جمع الجوامع للسیوطی

اس کتاب کے مصنف علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ اس کتاب میں ذخیرہ حدیث کو سمونے کی کوشش کی گئی ہے اس کتاب میں قولی روایات کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے اور فعلی احادیث کو صحابہ کرام کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔

الجامع الصغیر

اس کتاب میں تمام کتب حدیث کی قولی روایات کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال

یہ احادیث کی جامع ترین کتاب ہے۔ اس کے مصنف ہندوستان کے مشہور عالم علی المتقی الہندی ہیں۔ اس کتاب میں احادیث کی ترتیب کچھ یوں ہے

پہلے ہر باب کی قولی احادیث جمع کی گئی ہیں جو جمع الجوامع میں موجود تھیں۔

اس کے بعد ایسی قولی روایات جمع کی گئی ہیں جو علامہ سیوطی سے چھوٹ گئی تھیں۔

ان روایات کا نام الاکمال فی سنن الاقوال رکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں ہر حدیث کے ساتھ اس حدیث کے ماخذ کا حوالہ رموز کی صورت میں دیا گیا ہے۔ جیسے بخاری کے لیے خ کی علامت۔

اس کتاب میں احادیث کی تعداد 43 ہزار کے لگ بھگ ہے۔

الاطراف

یہ حدیث کی ایسی کتب ہیں جن میں حدیث کے صرف شروع اور آخر کے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ سے پوری حدیث کو پہچانا جا سکتا ہے اور حدیث کے آخر میں حوالہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث فلاں کتاب سے لی گئی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص کو کسی حدیث کے شروع اور آخر کے الفاظ یاد ہوتے ہیں لیکن پوری حدیث اس کے ذہن میں نہیں ہوتی تو اس صورت میں اطراف سے کام لیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر حافظ ابن عساکر دمشقی کی کتاب الاشراف فی معرفۃ الاطراف ہے جس میں سنن ابی داؤد سنن نسائی سنن ترمذی کے اطراف ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا گیا ہے۔

اطراف الکتب الستہ

یہ کتاب حافظ عبد الغنی مقدسی کی ہے۔

تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف

اطراف پر مشتمل یہ مشہور کتاب حافظ مزی کی ہے۔

وحدانیات تا عشاریات

وحدانیات ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان صرف ایک راوی کا واسطہ ہو۔ اسی طرح ثنائیات ان روایات کو کہتے ہیں کہ جس میں راوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان دو راویوں کا واسطہ ہو۔ ثلاثیات وہ روایات ہیں جن میں راوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے

درمیان تین راویوں کا واسطہ ہو۔ اسی طرح اگر چار راویوں کا واسطہ ہو ان کو رباعیات، پانچ ہو تو ان کو خماسیات، چھ ہو تو ان کو سداسیات، سات ہوں تو ان کو سباعیات، آٹھ ہو تو ان کو ثمانیات، نو ہوں تو ان کو تساعیات اور دس ہوں تو ان کو عشاریات کہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر مختلف کتب موجود ہیں جیسے ثلاثیات بخاری اور رباعیات الصحابہ وغیرہ۔

الاربعون / الاربعینات

یہ ایسی کتب ہیں جن میں چالیس روایات کو جمع کیا گیا ہو۔ ان تصانیف کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا مستحق بننا ہے جو امت تک چالیس روایات پہنچانے والے کے بارے میں ہے۔

جیسے اربعین نووی وغیرہ

علی شرط الشیخین قرار دے کر مستدرک میں داخل کر دیا ہے۔ اس لئے حافظ ذہبیؒ نے اس کی تلخیص کر کے امام حاکم کی غلطیوں پر تنبہ کیا ہے۔ یہ تلخیص امام حاکم کی مستدرک کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ جب تک حدیث کے بارے میں وہ صحت کی تصدیق نہ کر دے اس وقت تک محض حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

4.7 التخریج

تخریج اصطلاح میں اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی معلّق یا بے حوالہ احادیث کی سند اور اس کا حوالہ بیان کیا جائے۔ مثلاً ''ہدایہ'' میں ساری حدیثیں بلا حوالہ ہیں۔ ان احادیث کی سند اور حوالہ تلاش کرنے کی غرض سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ وہ ہدایہ کی تخریج کہلائیں گی۔ مثلاً ''**نصب الراية فى تخريج احاديث الهداية**'' جسے امام جمال الدین ذیلعی نے تالیف کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''**الدراية فى تخريج احاديث الهدايه**''. اس طرح ''**التلخيص الحبير فى تخريج احاديث الرافعى الكبير**'' جو حافظ ابن حجر کی مشہور تالیف ہے اور ''رافعی'' کی احادیث کی تخریج پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ''**الكاف الشاف فى تخريج احاديث الكشاف**'' جو علامہ زمخشری کی تفسیر میں منقول روایات کی تخریج ہے۔ حافظ زین الدین عبدالرحیم العراقی کی ''**تخريج احياء علوم الدين**'' بھی اس فن میں ایک بہت مفید اور مثالی تالیف ہے۔ اس میں حافظ عراقی نے امام غزالی کی ''احیاء العلوم'' کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

4.8 الفھارس

وہ کتابِ حدیث جس میں ایک یا زائد کتابوں کی احادیث کی فہرست جمع کر دی گئی ہو۔ مثلاً فہرس صحیح البخاری۔ فہرس سنن ابی داؤد وغیرہ۔ ان فہارس کی وجہ سے اب مآخذ سے حدیث نکالنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس سلسلے کا جامع اور مفید کام اللہ تعالیٰ نے مستشرقین کی ایک جماعت سے لیا۔ جس نے ڈاکٹر وینسنک کی سربراہی میں سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ''**المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوى**'' ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے صحیحین، سنن اربعہ، مؤطا امام مالک، سنن

دارمی اور مسند امام احمد کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے انہوں نے ہر لفظ کے تحت یہ بیان کیا ہے۔ کہ یہ لفظ کون کونسی حدیث میں آیا ہے اور وہ حدیث کہاں کہاں مذکور ہے۔ البتہ اس کتاب میں بالاستیعاب احادیث نہیں آسکی ہیں۔ بہت ساری روایات ان سے چھوٹ گئی ہیں اس کتاب کی بنیاد پر ڈاکٹر وینسنک نے ایک اور کتاب مرتب کی ہے۔ جس کا نام ''مفتاح کنوز السنة'' ہے اس میں چودہ ماخذ کی روایات جمع کی گئی ہیں۔ جن میں سیرت کے مصادر بھی شامل ہیں۔

4.9 الأطرف

وہ کتب حدیث ہیں جن میں احادیث کے صرف اول و آخر الفاظ ذکر کئے گئے ہوں۔ جن سے پوری حدیث کو پہچانا جاسکے اور آخر میں اس حدیث کا حوالہ ذکر کردیا گیا ہو کہ فلاں فلاں کتب حدیث سے یہ احادیث لی گئی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بسااوقات ایک شخص کو کسی حدیث کے اول یا آخر الفاظ تو یاد ہوتے ہیں لیکن نہ پوری حدیث ذہن میں ہوتی ہے اور نہ اس کی اسنادی حیثیت کا علم ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اطراف کی کتب بے حد کام دیتی ہیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے حافظ ابن عساکر دمشقی نے کتاب لکھی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اس کا نام ''الاشراف فی معرفة الاطراف'' ہے۔ جس میں حافظ ابن عساکر نے سنن ابو داؤد، سنن النسائی اور سنن ترمذی کے اطراف ذکر کئے ہیں اس کتاب کو حافظ ابن عساکر نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔

ان کے بعد حافظ عبدالغنی مقدسیؒ نے ''اطراف الکتب الستة'' تحریر فرمائی۔ آج کل اس نوع کی سب سے زیادہ متداول اور مقبول کتاب حافظ مزی کی ''تحفة الاشراف فی معرفة الاطراف'' ہے۔ ''المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوی'' اور ''مفتاح کنوز السنة'' بھی اس نوع کے تحت آتی ہیں اس لئے کہ ان دونوں کتابوں میں تفصیلی متون ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

4.10 الموضوعات

''موضوعات'' سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں موضوع احادیث کو جمع کردیا گیا ہو یا متہم بالوضع
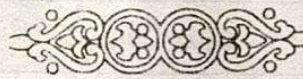
احادیث کی تحقیق کی گئی ہو۔شروع میں کتب موضوع اس انداز پر لکھی جاتی تھیں کہ ضعیف راویوں کا تذکرہ کیا جاتا تھا اور ان سے جو موضوع یا ضعیف احادیث مروی ہیں ان کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ حافظ ابن عدی کی ''الکامل''۔امام عقیلی کی ''الضعفاء'' اورامام جوزقانی کی ''الاباطیل'' اس انداز پر ہیں۔ بعد میں موضوعات کا طریقہ یہ ہوگیا کہ موضوع یا متہم بالوضع احادیث کوابواب کی ترتیب سے یاحروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کوکس نے روایت کیا ہے اوراس میں سنداً کیانقص ہے۔اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ ابن الجوزی نے قلم اٹھایا۔ان کی دو کتابیں ہیں ایک ''العلل المتناهية فى الأخبار الواهية'' اوردوسری ''الموضوعات الكبرى''۔ان میں سے دوسری کتاب متداول ہے۔لیکن علماء حدیث کا کہنا ہے کہ علامہ ابن الجوزی احادیث پر وضع کا حکم لگانے میں محتاط نہیں ہیں۔اورانہوں نے بہت سی صحیح روایات پر کلام کیا ہے۔علماء نے ان کی کتابوں پر تنقیدیں لکھیں۔چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی تردید میں ''**القول المسدّد فى الذب عن مسند احمد**'' میں ان کی بہت عمدہ تردید کی ہے۔اس کتاب میں حافظ ابن حجر نے مسند احمد کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے جنہیں حافظ ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر حافظ ابن الجوزی نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اورایک حدیث صحیح بخاری کے احمد شاکر والے نسخہ میں بھی ہے اورایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہیں۔اورامام ابن الجوزی نے انہیں موضوع قرار دے دیا ہے پھر علامہ جلال الدین سیوطی نے ابن الجوزی کی موضوعات پر ایک مفصل تنقید لکھی جس کا نام ''**النكت البديعات على الموضوعات**'' رکھا۔بعد میں اس کی تلخیص کی اوراس میں کچھ اضافے کئے جو ''**اللآلى المصنوعة فى الاحاديث الموضوعه**'' کے نام سے معروف ہے اورشائع ہوچکی ہے۔علامہ ابن الجوزی کے بعد حافظ صنعانی کی موضوعات بھی بہت مقبول ہوئیں۔علامہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں جن میں ملاعلی قاری کی ''**الموضوعات الكبير**'' نہایت مقبول ومعروف ہے۔آخری دور میں قاضی شوکانی کی ''**الفوائد المجموعه فى الأحاديث الموضوعه**'' اورعلامہ طاہر پٹنی کی ''تذكرة الموضوعات'' مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراق نے انجام دیا۔انہوں نے اپنی کتاب ''تنزیه الشریعة المرفوعه عن الاحادیث الشنیعة الموضوعه'' میں علامہ ابن الجوزی جوزقانی عقیلیؒ حافظ ابن عدی حافظ ابن حجر، علامہ السیوطی اور ملا علی قاری کی تمام کتابوں کوجمع کردیا ہے اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے اور محقق ترین بھی جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستغنی کردیتی ہے اس کتاب میں علامہ ابن عراق نے حافظ ابن الجوزی، جوزقانی اور امام سیوطی کی بیان کردہ احادیث میں صرف ان احادیث کوجمع کیا ہے جو فی الواقع موضوع ہیں۔

4.11 کتب الأحادیث المشتهرة

اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں اُن احادیث کی تحقیق کی گئی ہو جو عام طور سے مشہور اور زبان زد عام ہوتی ہیں لیکن ان کی سند کا علم عام طور سے نہیں ہوتا اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ زرکشی نے ''التذکرة فی الاحادیث المشتهرة'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ان کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''اللألی المنشورة فی الاحادیث المشهورة ''لکھی۔بعد میں علامہ جلال الدین سیوطی نے ''الدرر المنتشره فی الاحادیث المشتهرة'' مرتب کی۔علامہ ابن درویش نے ''اثناء المطالب فی احادیث مختلفة المراتب'' لکھی جو اپنے اختصار کے باوجود کافی مشہور ہوئی۔لیکن اس نوع کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول کتاب حافظ شمس الدین سخاوی کی ''المقاصد الحسنة فی الاحادیث المشتهره'' ہے جسے انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے اور ہر ایک حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔

4.12 مشکل الحدیث

اس نوع کو ''شرح الأثار'' اور ''مختلف الحدیث'' بھی کہتے ہیں۔اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن میں حدیث کے مواقع اور محل کی تعیین کی گئی ہو ان میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی بلکہ مؤلف کیف ما اتفق احادیث کو ذکر کرکے ان کی تشریح کرتا ہے۔اس نوع کی بہت سی کتب لکھی گئی ہیں امام شافعی وہ پہلے

مصنف ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''الأم'' کے بعض حصوں میں اس پہلو سے کام کیا ہے۔ امام ابن قتیبہ کی ''مشکل الأثار'' اور علامہ ابوبکر بن الفورک کی ''مشکل الحدیث'' بھی اس نوع کی اہم ترین اور مقبول ترین کتب ہیں۔

4.13 اسباب الحدیث

حدیث میں ان کی وہی حیثیت ہے جو تفسیر میں اسباب النزول کی ہے۔یعنی اس میں قولی احادیث کا سبب ورود بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کون سا ارشاد کن حالات میں فرمایا۔اس نوع میں بہت کم کتابیں لکھی گئیں اس میں سب سے پہلی تصنیف امام ابوحفص العکبری کی ہے۔ اس کے بعد حامد بن کزنیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اس پر قلم اٹھایا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ہمارے دور میں اس نوع کی صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے جس کا نام ''البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف'' ہے۔اور وہ علامہ ابراہیم بن محمد الشہیر بابن حمزہ الحسینی الدمشقی الحنفی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب علماء کے ہاں متد اول رہی کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

4.14 الاجزاء

''جزء'' اس کتاب کو کہتے ہیں۔جس میں کسی ایک جزوی مسئلہ سے متعلق تمام احادیث یکجا کردی گئی ہوں جیسے ''جزء القرآۃ للامام البخاری'' ...... جزو القرآن للامام البیھقی ...... جزء رفع الیدین للامام البخاری ...... جزء الجھر ببسم اللہ للامام الدارقطنی ...... جزء الجھر ببسم اللہ للخطیب البغدادی ...... اور کتاب القرآۃ للامام البیھقی ......متاخرین میں علامہ انور شاہ کشمیری کی ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' بھی اس نوع میں شامل ہے۔اس جزء میں علامہ کشمیری نے نزول مسیح سے متعلق ساری احادیث وآثار جمع کئے ہیں۔

4.15 غریب الحدیث

اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں متون حدیث میں وارد شدہ مشکل،مبہم اور پیچیدہ الفاظ کی تشریح

وتوضیح کی گئی ہو۔علم غریب الحدیث بہت اہم علوم میں سے ہے۔امام نووی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"فن مهم يقبح جهله بأهل الحديث، والخوض فيه صعب، حقيق بالتحرى، جدير باالتوقى، وكان السلف يشبتون فيه أشد تثبت فقد روينا عن احمد بن حنبل انه سئل عن حرف منه، فقال: سلوا اصحاب الغريب، فانى اكره أن اتكلم فى قول رسول الله ﷺ بالظن (تدريب الراوى. ص: ٣٩).

یہ فن بہت ہی اہم ہے۔ جو حضرات اس سے ناواقف ہوتے ہیں ان کی تنقیص کی جاتی ہے۔اس کا مطالعہ دقت طلب ہے، تلاش، جستجو اور انہاک کا متقاضی ہے۔علمائے سلف اس فن کے حصول کا بہت اہتمام کرتے تھے اوراس کی قدر واحترام کرتے تھے۔امام احمد بن حنبل سے ایک مرتبہ کچھ الفاظ وکلمات کی وضاحت پوچھی گئی۔تو آپؒ نے فرمایا: اس بارے میں غریب الحدیث کے ماہرین سے رجوع کرنا چاہئے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنی طرف سے متن حدیث کے الفاظ کی تشریح کروں۔امام احمد کے بارے امام خلال کی روایت ہے کہ آپ ابوعبید قاسم بن سلام کے پاس "غریب الحدیث" کے سلسلے میں حاضر ہوتے تھے۔

علماء حدیث نے اس فن کی اہمیت کے پیش نظر دورِتدوین وتصنیف کا آغاز ہوتے ہی اس پر قلم اٹھایا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر اور تیسری صدی کے اوائل میں اس فن نے ایک مستقل شکل اختیار کرلی سب سے پہلے ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ (م:۲۱۰ھ) نے غریب الحدیث میں کتاب تیار کی، پھر ابوعدنان السلمی اور عبدالرحمٰن بن عبدالاعلی نے غریب الحدیث کے موضوع پر کام کیا۔ابن درستویہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

" ذكر فيه الأسانيد وصنّفه، على ابواب السنن والفقه إلا أنه ليس بالكبير "(مقدمه النهاية فى غريب الحديث)

اس کتاب میں اسانید اورسنن کی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے لیکن کتاب کی ضخامت زیادہ نہیں ہے۔اس دور میں نضر بن شمیل (م:۲۰۳ھ) اور، محمد بن المستنیر قطرب۔ (م:۲۰۶ھ) نے بھی غریب

الحدیث میں کتابیں لکھیں۔ قطرب کی کتاب کا نام ''غریب الاثار'' ہے۔ابوعمر والشیبانی اور اسحاق بن خزار (۲۱۰ھ) نے بھی اس موضوع پر کام کیا۔اس دور میں ابوزید الانصاری، سعید بن اوس بن ثابت (۲۱۷ھ) عبدالملک بن قریب الاصمعی (۲۱۶ھ)، حسن بن محبوب السراء اور امام ابوعبید القاسم بن سلام نے بھی اس فن کی طرف توجہ دی۔امام ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب اس موضوع پر سب سے جامع اور مفصل کتاب ہے۔ یہ کتاب حیدر آباد دکن سے شائع ہوچکی ہے البتہ اس سے کسی لفظ کے معنی تلاش کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں حروف تہجی کی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔امام اصمعی اور علام ابن قتیبہ دینوری نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا جن کے کام کو علامہ خطابی نے آ کر یکجا کر دیا۔

چوتھی صدی ہجری میں امام ابوعبید احمد بن محمد الہروی (۴۰۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''الغریبین'' کے نام سے مرتب کردی۔اس کتاب میں آپ نے قرآن مجید اور حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ وکلمات کو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق جمع کر دیا اور ان کی تشریح وتوضیح کردی۔اس کے بعد آپ نے ابوعبید قاسم بن سلام اور امام ابن قتیبہ دینوری کی کتابوں کو جمع کر دیا اس پر مزید اضافے کر دیئے۔اس کتاب کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ علم حدیث کے ہر مرکز اور حلقہ تک اس کے نسخے پہنچ گئے اور علماء نے اس کو ماخذ کے طور پر تسلیم کرلیا۔

اس کے بعد جب علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ھ) کا دور آیا۔تو آپ نے اپنے فطری ذوق اور مناسبت کی وجہ سے اس فن کی طرف توجہ دی اور بہت عمدہ کتاب ''الفائق فی غریب الحدیث'' کے نام سے مرتب کردی۔اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اسم بامسمیٰ ہے۔کتاب کی ترتیب اور کلمات کا انتخاب بہت مفید ہے۔یہ کتاب ۱۳۲۴ھ میں پہلی مرتبہ حیدر آباد دکن سے چھپی۔بعد میں ۱۳۶۴ھ (۱۹۴۵ھ) میں مصر سے محمد ابوالفضل ابراہیم کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی۔اس کے بعد حافظ ابوموسیٰ محمد بن ابو بکر المدینی الاصفہانی (۵۸۱ھ) کا دور آیا۔آپ نے امام ابوعبید الہروی کی کتاب الغریبین کا تجزیہ کیا۔ اور اس کے بعد ''المغیث فی غریب القرآن والحدیث'' کے نام سے کتاب مرتب کرلی۔اس کتاب میں آپ

نے ان الفاظ وکلمات کا اضافہ کیا جو امام ہروی سے رہ گئے تھے۔ کتاب کی ترتیب بہت خوبصورت ہے۔ اپنی کتاب کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

"واعلم انه سیبقی بعد کتابی اشیاء لم تقع لی ولا وقفت علیها، لأن کلام العرب لا ینحصر، قال ابن الأثیر : ولقد صدق رحمة الله فان الذی فاته من الغریب کثیر"......

یہ بات ذہن میں رہے کہ عربی زبان بہت وسیع اور کثیر الجہات ہے۔ اس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ مجھ سے ایسے بہت سارے الفاظ چھوٹ گئے ہوں گے جو اہم اور بنیادی حیثیت کے حامل ہوں گے۔ علامہ ابن اثیر الجزری کہتے ہیں: حافظ ابو موسیٰ نے جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے واقعی ایسے بہت سارے کلمات آپ سے چھوٹ گئے ہیں جنہیں ذکر کرنا چاہئے تھا۔

حافظ ابن اثیر کہتے ہیں:

ولما وقفت علی کتاب ابی موسی الذی جعله مکملا لکتاب الهروی وهو فی غایة الحسن والکمال، وکان الانسان إذا اراد کلمة غریبة یحتاج علی أن یتطلبها فی احد الکتابین، فان وجدها فیه وإلا طلبها من الکتاب الآخر، وهما کتابان کبیران ذوا مجلدات عدة، ولا خفاء بما فی ذلک من الکلفة، رأیت ان اجمع ما فیهما من غریب الحدیث مجردا من غریب القرآن، واضیف کل کلمة، إلی اُختها فی بابها تسهیلا لکلفه الطلب، (مقدمه النهایة فی غریب الحدیث ج ۱ ص: ۸،۹)

میں نے جب ابو موسیٰ کی کتاب کا مطالعہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب بہت عمدہ اور مفید ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے

کیونکہ یہ ایک نہیں بلکہ دو کتابوں کا مجموعہ ہے اور دونوں کتابیں اچھی خاصی ضخیم ہیں۔اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ ''غریب الحدیث'' کو غریب القرآن'' سے الگ کردوں۔ اور اس کی ترتیب اس طریقہ پر رکھوں کہ اس سے استفادہ کرنے والے کو کسی قسم کی دِقت محسوس نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس منصوبہ کے تحت کام شروع کردیا۔ وہ تمام غریب کلمات جن کا تعلق احادیث و آثار سے ہے میں نے ان کو بار بار تلاش کیا۔ اور ان کی تشریح وتوضیح میں بھرپور محنت کی۔ ابن اثیر کہتے ہیں: میں امام خطابی اور ابوموسیٰ کے اس قول کو دہرانا چاہتا ہوں: **لم یکون قد فاتنی من الکلمات الغریبة التی تشتمل علیها احادیث رسول الله ﷺ وتابعیهم (مقدمة (ج ا ص :۲۲۸)**

جہاں تک ممکن ہوسکا ہے میں نے احادیث رسول میں سے ان کلمات کو جمع کیا ہے جو'' غریب'' کے زمرہ میں آتے ہیں۔ دسویں صدی ہجری میں برصغیر کے کئی علماء نے علم حدیث پر مختلف حوالوں سے کام کرنا شروع کردیا ان حضرات میں جس شخصیت کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ علامہ علی المتقی الہندی (م۹۷۵ھ) ہیں۔ آپ نے ''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' کے نام سے ایک بہت ہی جامع، وقیع اور مفید کام کیا۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے شیوخ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے شیخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم حدیث کی آبیاری کی انہیں میں سے ایک شیخ محمد طاہر پٹنی نے جہاں اور بہت سی تالیفات کیں وہاں غریب الحدیث پر ایک بہت پایہ کی کتاب لکھی۔ اس کتاب کا نام ''مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار'' رکھا۔ یہ ایسی کتاب ہے جو ابن اثیر کی ''النهایه'' کے بعد اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت اور افادیت کی حامل ہے۔

4.16 الضعفاء

اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں ضعیف رواۃ کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہوں۔ امام بخاری، امام نسائی اور حافظ ابن حبان بستی کی کتاب الضعفاء کو علماء کے ہاں تداول حاصل رہا۔ ابن حبان کی کتاب الضعفاء اپر امام دارقطنی نے حاشیہ لکھا۔ اسی طرح ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم البرقی (م۲۶۹ھ)

نے ''کتاب الضعفاء'' مرتب کی۔ حافظ برقی مصر میں رہتے تھے۔ اپنے عہد کے ممتاز محدث تھے۔ البرقی اس لئے کہلاتے تھے کہ لوگ آپ کی علمی وجاہت کی وجہ سے آپ کی قربت کو پسند کرتے تھے۔ ابو بشر محمد بن حماد الدولابی نے بھی کتاب الضعفاء تالیف کی۔ اسی دور میں ابو جعفر محمد بن عمر موسی بن حماد العقیلی (م ۳۲۲ھ) نے اپنی کتاب ''الضعفاء'' کے نام سے مرتب کی۔ حافظ عقیلی کی کتاب اس موضوع پر بڑی ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلے نایاب تھی اب چھپ گئی ہے اور عام دستیاب ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبد المعطی امین قلعجی نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے اور تحقیق و تعلیق میں انتہائی محنت سے کام لیا ہے۔ حافظ عقیلی نے بعض ایسے رواۃ کو بھی ضعفاء میں شمار کیا ہے جن کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ ڈاکٹر قلعجی نے اس قسم کے مقامات کی نشاندہی کی ہے اور حافظ عقیلی پر استدارک کیا ہے۔ اس موضوع پر بہت عمدہ اور مفید کام ابو نعیم عبد الملک بن محمد بن عدی بن زید الجرجانی (۳۲۳ھ) کا ہے۔ ان کی تالیف بھی اچھی خاصی ضخیم ہے اور دس اجزاء پر مشتمل ہے۔

ابو الفتح محمد بن حسین بن احمد الأزدی البغدادی (۳۷۴ھ) اپنے دور کے بہت بڑے شیخ تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بڑی ضخیم کتاب ''الضعفاء'' کے نام سے مرتب کی۔

ابو احمد عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ الجرجانی (۳۶۵ھ) بہت بڑے حافظ اور ان ائمہ میں سے ہیں جن کی طرف علل، رجال اور ضعفاء کی پہچان میں رجوع کیا جاتا ہے۔ آپ کی کتاب ''الکامل'' کے نام سے مشہور ہے اس میں مؤلف نے ہر اُس راوی کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہو خواہ اسکا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو ہر ایک راوی کے ترجمہ اور حالات کے بیان میں اس کی ایک روایت بھی بیان کی ہے یہ کتاب پہلے غیر مطبوعہ تھی۔ اب طبع ہوگئی ہے اور مارکیٹ میں دستیاب ہے یہ ان تمام کتابوں میں کامل ترین کتاب ہے جو جرح کے موضوع پر لکھی گئی ہیں اور اس باب میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس میں مؤلف نے جو کچھ بیان کیا ہے، متقدمین اور متاخرین نے اس کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس کتاب کی روایات کو ابن طاہر نے جمع کیا اور حروف معجم پر ترتیب دیا۔ اس پر بعد میں ابو العباس احمد بن محمد الاموی الاندلسی نے حواشی لکھے۔ اور اس کا نام ''الحافل فی تکمة الکامل'' رکھا۔

حافظ شمس الدین الذہبی نے بھی ضعفاء پر کتاب لکھی جس کا نام "**میزان الإعتدال فی نقد الرجال**" ہے یہ کتاب علماء اور طلبہ کے ہاں رائج اور مقبول ہے مؤلف نے اس کتاب کی ترتیب میں وہی طرز اختیار کیا ہے جو حافظ ابن عدی نے "الکامل" میں اختیار کیا ہے حافظ ذہبی نے ان تمام رواۃ کو ضعفاء، میں شمار کر دیا ہے جن پر کسی طرح بھی جرح کی گئی ہو خواہ فی نفسہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہوں۔ مؤلف سے کافی رواۃ کا ذکر چھوٹ گیا تھا جن کو حافظ زین الدین العراقی نے ایک جلد میں جمع کیا اور مذکورہ کتاب کا ضمیمہ بنا دیا۔ حافظ ابن حجر نے "**لسان المیزان**" نامی کتاب لکھی جس کے ضمن میں میزان الاعتدال کو بھی رکھا اور اضافہ بھی کیا۔ یہ کتاب مطبوعہ ہے اور عام دستیاب ہے۔ **لسان المیزان** کا خلاصہ ابوزید عبد الرحمان بن ابی العلاء العراقی (م: ۱۳۳۴ھ) نے کیا۔ حافظ برہان الدین نے بھی میزان الاعتدال کا خلاصہ کیا لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حلبی نے اس میں دقت نظر اور تحقیق سے کام نہیں لیا۔

4.17 کتب الثقات

اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں ثقہ رواۃ کے حالات و تراجم بیان کئے گئے ہوں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب حافظ ابن حبان البستی کی "کتاب الثقات" ہے۔ ابن حبان کی یہ تالیف بہت عمدہ ہے لیکن اس میں آپ نے بعض ایسے مجہول الحال رُواۃ کا تذکرہ بھی کیا ہے جن کے حالات مؤلف کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس بارے میں آپ کا طرز بیان یہ ہے کہ جس کو وہ نہیں جانتے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس پر جرح کرتے ہیں خواہ وہ ایسا مجہول الحال کیوں نہ ہو جس کے بارے میں ان کے پاس معلومات نہ ہوں۔ مؤلف اپنی کتاب میں اس راوی کی توثیق بھی کر دیتے ہیں جس کے بارے میں دیگر علماء کی آراء واضح نہیں ہوتیں۔ حافظ ابن حبان نے بعض رواۃ کے بارے میں دو قسم کی رائے دی ہے۔ کتاب الثقات میں انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور کتاب الضعفاء والمجروحین میں انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ نور الدین الہیثمی نے اپنے شیخ اور رفیق زین الدین العرقی اور اپنے بیٹے ابوزرعہ کی ایماء پر کتاب الثقات کو ترتیب دیا ہے۔

کتاب الثقات چھپ گئی ہے اور دستیاب ہے۔ بعد میں شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی نے

ان رُواۃ کے حالات پر مشتمل کتاب الثقات لکھی جن سے صحاح ستہ میں کوئی روایت مروی ہے۔ یہ کتاب بہت ضخیم اور چار جلدوں میں ہے اس ضمن میں بعد میں جو تالیفات مرتب ہوئیں ان میں ابو حاتم بن حبان البستی اور ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی کا کام بہت وقیع اور مفید ثابت ہوا۔ حافظ عجلی کی تالیف کے بارے میں حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ یہ بہت مفید کتاب ہے جو مؤلف کے وسیع الحافظہ ہونے کی دلیل ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی کی تالیف بھی اس سلسلہ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں مؤلف نے امام بخاری کے اسلوب کو اپنایا ہے اور بہت عمدہ کام کیا ہے ابو اسحٰق ابراہیم بن یعقوب بن اسحٰق الجوز جانی نے بھی ثقات کے موضوع پر بہت اچھا کام کیا ہے؟ آپ کا تعلق جوز جان سے تھا لیکن بعد میں آپ نے دمشق میں اقامت اختیار کی تھی۔ آپ کا ۲۵۹ھ میں انتقال ہوا حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ان کی کتاب ''ضعفاء'' سے متعلق بھی ہے

4.18 کتب العلل

اس سے مراد وہ کتابیں ہیں۔ جن میں علل الحدیث سے متعلق گفتگو کی گئی ہو۔ علل، 'علۃ' کی جمع ہے اس سے مراد وہ خلل ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن حدیث میں نقص کا باعث ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری کی کتاب العلل اور امام ترمذی کی کتاب العلل ابتداء میں مقبول اور متداول رہیں۔ امام ترمذی کی کتاب العلل پر حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد البغدادی الدمشقی (م ۷۷۵ھ) نے بہت وقیع اور مفید کام کیا۔ آپ ابن رجب الحنبلی کے نام سے معروف ہیں۔ یہ شرح اتنی عمدہ اور خوبصورت ہے کہ اس کے مطالعہ سے اس فن کے ساتھ خود بخود دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی اور امام ابو بکر الاثرم نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ بعد میں آنے والے مؤلفین نے ان ہی کی تحقیق و تجزیہ کو مدنظر رکھا ہے۔ اور ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری اور ابو بکر احمد بن محمد ہارون بغدادی کی تالیفات کو بھی مقبولیت حاصل رہی مؤخر الذکر حنبلی المذہب تھے اور ''الخلال'' کے نام سے معروف ہیں ان کی کتاب کئی جلدوں میں ہے۔ ابو زکریا بن یحیی الضبیّ البصری (م ۳۰۷ھ) نے ''علل الحدیث'' کے نام سے کتاب لکھی۔ آپ

بصرہ کے ممتاز شیخ اور محدث تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ان کی یہ تالیف علل الحدیث میں جلیل القدر کتاب ہے اور اس فن میں مؤلف کے وسعت علم کی واضح دلیل ہے اس طرح امام دارقطنی کی ''علل الحدیث'' بھی ایک ضخیم کتاب ہے آپ نے اس کو مسانید کے انداز پر مرتب کیا ہے۔ یہ دراصل ان کی اپنی تالیف نہیں بلکہ آپ کے شاگرد حافظ ابوبکر البرقانی کی تالیف ہے جنہوں نے اپنے شیخ کے افادات کو مرتب کیا ہے۔ حافظ ابن الجوزی کی ''**العلل المتناهية فی الاحادیث الواهیه**'' بھی اس سلسلہ کی اہم اور وقیع کتاب ہے۔

خود آزمائی ②

۱- جامع کی تعریف کیجئے۔ اور اس موضوع پر اہم کتب کا تذکرہ کیجئے۔

۲- ''سنن اربعہ'' سے کیا مراد ہے۔ کیا ان کے علاوہ بھی اس نوع کی اہم کتب پائی جاتی ہیں۔

۳- ''مسند'' اصطلاح میں حدیث کی کونسی کتاب کہلاتی ہے۔ مسانید میں سب سے اہم مسند کی نشاندہی کیجئے۔

۴- ''معجم'' کی تعریف کیجئے اور بتایئے کہ معاجم ثلاثہ سے کونسی کتب مراد لی جاتی ہیں۔

۵- کتب الجمع میں سے کسی ایک کتاب پر اجمالاً گفتگو کیجئے

۶- ''تخریج'' کی تعریف کرتے ہوئے اہم تالیفات کا ذکر کیجئے۔

۷- ''أطراف'' کی ابتدا کس دور میں ہوئی۔ اس نوع کی اہم کتب کا تعارف کیجئے۔

1. صحیفہ

تدوین حدیث کاآغاز عہد رسالت ہی سے ہو چکا تھا۔ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے بیان کے مطابق ۵۲ کے قریب صحابہ تھے جن کے پاس تحریری شکل میں احادیث موجود تھیں۔۔آج کل بعض منکرینِ حدیث، ملاحدہ اور مستشرقین یہ تصور دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ احادیث ہجرت کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں۔ یہ دعوی تاریخی اور علمی لحاظ سے نہایت کمزور اور ناپختہ ہے۔ صحابہ کرام کے دست مبارک سے تحریر کردہ احادیث کے کم از کم اڑتالیس مجموعوں کا تذکرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ صحابہ کرام و طابعین کے احادیث کے یہ ذاتی مجموعے صحیفہ کہلاتے تھے۔ تدوینِ حدیث بطریقہ صحیفہ زمانہَ نبوت سے لے کے دوسری صدی کے اوائل تک جاری رہی۔

اس قسم کی کتبِ حدیث سے متعلق عام قارئین کے پاس معلومات کم ہوتی ہیں، اس لئے اس حوالے سے تفصیلات دوسری اقسامِ کتب کے مقابلے میں زیادہ بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ مشہور صحیفوں کا ذکر نیچے درج کیا گیا ہے۔

- سن 10 ہجری میں یمن کا علاقہ نجران فتح ہوا۔آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو وہاں کا عامل مقرر فرمایا۔ جاتے وقت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک کتاب لکھوا کر ان کے حوالے کی۔اس کتاب میں عام نصیحتوں کے علاوہ طہارت، نماز، زکوۃ، عشر، حج عمرہ، جہاد، غنیمت اور جزیہ کے احکام، نسلی قومیت کے نظریہ کی ممانعت، دیر (خوں بہا)، بالوں کی وضع، تعلیمِ قرآن اور طرزِ حکم رانی کے متعلق ہدایات درج تھیں۔(تفصیل کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب الوثائق السیاسہ پڑھیے۔) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت سترہ سال تھی۔انھوں نے اس کتاب کی روشنی میں بہ طور عامل اپنے فرائض بہ حسن خوبی سر انجام دیے۔ان کے انتقال کے بعد یہ کتاب ان کے پوتے ابو بکر کے

پاس رہی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسودہ انھی سے پڑھا اور نقل کیا۔

- صحیفہ صادقیہ ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ ہے۔ طلبہ حدیث نے بعض احادیث کی سند پڑھی ہو گی 'عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ' یہ وہی مجموعہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمرہ کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی احادیث عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور اپنے پردادا سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے پردادا سے مراد عبد اللہ بن عمرہ بن العاصؓ ہیں۔ یہ پورے کا پورا مجموعہ امام احمد کی مسند میں موجود ہے ااور اسی ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : "نبی ﷺ کے صحابہ میں سے آپ ﷺ کی حدیثیں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس نہیں ۔ سوائے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ۔ کیوں کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا ۔" (بخاری ، ترمذی ، سنن دارمی) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس صحیفے کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : "میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ایک مسودہ، جو آپ کے تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا، اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مجھے روک دیا۔ میں نے کہا : "آپ تو مجھ سے کچھ نہیں چھپاتے۔" اس پر آپ نے فرمایا : "یہ صادقہ ہے۔ یہ وہ کچھ ہے، جو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سنا ہے اور آپ کے اور میرے درمیان کوئی تیسرا راوی نہیں ہے۔ اگر یہ کتاب اللہ (یعنی وہی حدیث کی کتاب) اور وہظ (آپ رضی اللہ عنہ کی زرعی زمین) میرے لیے موجود رہیں تو پھر مجھے باقی دنیا کی کچھ پروا نہیں ہے۔" (جامع البیان العلم ، اسد الغابہ) روایات بتاتی ہیں کہ انھوں نے اپنی یہ کتاب آں حضرت ﷺ کی اجازت سے تحریر کی تھی ۔ قریش کے لوگوں نے انھیں صحیفہ صادقیہ لکھنے سے منع کیا تو انھوں نے آپ ﷺ سے اس بات کی شکایت کی ۔آپ ﷺ نے فرمایا : "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ ان دونوں لبوں کے درمیان (جو زبان ہے اس) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اس لیے تم لکھا کرو۔" (ابنِ سعد، ابو داؤد، المحدث الفاصل، مستدرک) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ مسودہ آپ کی

اولاد کے پاس رہا۔ان کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اس سے درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ مشہور محدثین یحیٰ بن معین رحمۃاللہ علیہ اور علی بن المدنی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت کردہ ہر حدیث ، خواہ وہ کسی بھی کتاب میں ہو ، حضرت عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ صادقیہ سے لی گئی ہے۔ (تہذیب التنذیب)

- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : "رسول اللہ ﷺ نے کتاب الصدقہ لکھوائی۔آپ ﷺ اسے اپنے عاملوں کے پاس نہ بھیجنے پائے تھے کہ آپ ﷺ کی انتقال ہو گیا۔آپ ﷺ نے اسے اپنی تلوار کے ساتھ منسلک کر لیا تھا۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔ پھر اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔" (سنن ابی داؤد ، جامع ترمذی ، الابل والغنم) صحیفہ صادقیہ کی طرح ، کتاب الصدقہ کا بھی درس دیا جاتا تھا۔اس کتاب کا درس مشہور محدث ابن شہاب زہری رحمۃاللہ علیہ (51ہجری۔125ہجری) دیا کرتے تھے۔انھوں نے یہ کتاب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت سالم رحمۃاللہ علیہ سے پڑھی تھی۔ جسے انھوں نے حفظ کر لیا تھا۔
- یہ بات بھی مشہور ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث کا تحریر کردہ مجموعہ تھا۔ جو "صحیفہِ علی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی رسول اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں لکھا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس صحیفے کے متعلق فرمایا : "ہمارے پاس کچھ نہیں ، سوائے کتاب اللہ اور اس صحیفے کے جو نبی ﷺ سے منقول ہے۔" (صحیح بخاری شریف) امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃاللہ علیہ نے صحیح بخاری میں چھے مقامات پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی اس صحیفے اور اس کے مضامین کا ذکر کیا ہے۔ مشہور مورخ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ (اپنے دورِ خلافت میں) مسجد میں کھڑے ہوئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر لوگوں سے پوچھا: کون ایسا ہے ، جو محض ایک درہم کے عوض علم خریدنا چاہتا ہو ؟" اس جملے سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تحصیلِ حدیث کا طالبِ علم محض ایک درہم کا کاغذ خریدے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس احادیثِ نبوی لکھنے کے لیے آجائے۔ بیان کیا گیا ہے

کہ حارث الاعوار نے کاغذ خریدا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا۔طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں لفظ "علم" محض علمِ حدیث کے لیے بولا جاتا تھا۔

- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کے ایک شاگرد ہمام بن منبہ تھے۔ وہ بھی آپ کی طرح یمن کے رہنے والے تھے۔ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کچھ احادیث سن کے انہیں ایک صحیفہ میں جمع کیا تھا۔ یہ اصلا حضرت ابوہریرہ کی تالیف تھی، مگر کتابت کیوجہ سے کاتب کیطرف منسوب ہوئی اور صحیفہ ہمام ابن منبہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ کی وفات 58ھ ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ صحیفہ اس سے بھی پہلے لکھا گیا۔ مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے سن 1933 عیسوی میں اس صحیفے کا ایک قلمی نسخہ برلن کی ایک لائبریری سے اور دوسرا مخطوطہ دمشق کی لائبریری سے ڈھونڈ نکالا۔ پھر ان دونوں نسخوں کا تقابل کر کے 1955ء میں حیدرآباد دکن سے اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔

ان مخطوطوں کے حالات اختصار کے ساتھ نیچے درج کئے گئے ہیں:

  - مخطوطہ برلن: مخطوطہ برلین کا نمبر وہاں کی فہرست مخطوطات عربی میں (1797, 1384 WE) ہے۔ یہ ذخیرہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے تک برلین کے سرکاری کتب خانے میں تھا۔ دوران جنگ میں حفاظت کے لیئے یہ شہر تیوبنگن بھیجا گیا اور آج تک وہ وہیں ہے۔ وہاں صحیفہ ہمام ایک مجموعہ رسائل میں ہے جن میں وہ ورق نمبر (54) سے شروع ہو کر نمبر (61) تک یعنی آٹھ ورقوں میں ہے۔ بیچ میں دو جگہ ایک ایک ورق گم ہو گیا ہے۔ اس کا حجم (17.5×12.5) سنٹی میٹر ہے، اور ہر صفحے میں (19) سطریں آئی ہیں۔ اور اس میں ہر حدیث " وقال" (اور انہوں نے کہا) کے الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ یہ نسخہ 12 صدی ہجری کے ابتدائی زمانے کا ہے۔
  - مخطوطہ دمشق: دمشق کا مخطوطہ اپنے ہمشیر مخطوطے پر ایسی ہی فوقیت رکھتا ہے جیسے کہ سورج کا نور چاند کی مستعار روشنی پر، اور وہ وہاں کتب خانہ ظاہر یہ میں محفوظ ہے۔ دمشق کا یہ مخطوطہ بھی کئی رسالوں کے مجموعہ کے ضمن میں ہے

لیکن یہ امتیاز رکھتا ہے کہ مکمل ہے اور کتابت کی تاریخ کے لحاظ سے برلن کے مخطوطے سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہی وہ اصل نسخہ بھی ہے جو درس اور سماعت میں استعمال ہوتا رہا اور متعدد مرتبہ اس پر اجازت ثبت ہوئی ہے۔ ابن عساکر مصنف "تاریخ دمشق" ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے اسی مخطوطے پر درس دیا، وہ خوش خط ہے البتہ لکھنے والے نے اکثر جگہ حرفوں پر نقطے نہیں دیئے ہیں۔ ہر صفحہ میں 21 یا 22 یا 23 سطریں ہیں۔ اس کا حجم جرمنی کی کتاب کے حجم کے تقریبا برابر ہے۔ یہ نسخہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں دمیاط (مصر) کے ایک نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ ان لڑائیوں اور فتنوں کے زمانہ میں محدثین کے پاس اسلامی درس کے جو عادات اور آداب تھے، ہم ان کو اس کی سماعتوں میں دیکھتے ہیں یہاں ان کی تفصیل کی حاجت نہیں۔

اس صحیفے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ صحیفہ پورے کا پورا مسند احمد بن حنبل میں بھی بعینہٖ اسی طرح درج ہے جس طرح ان قلمی نسخوں میں ہے ،امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ) کا سن 240 ھجری ہے اس طرح صحیفہ مذکور اور مسند احمد بن حنبل میں تقریباً 200 سال کا عرصہ حائل ہے ۔ لیکن ان دونوں میں کوئی واضح فرق موجود نہیں ۔ ان دونوں میں کمال یکسانیت کا ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے یہ کہ کتابتِ حدیث کا سلسلہ کسی بھی وقت منقطع نہیں ہوا، اسی طرح اس کی احادیث بخاری میں بھی موجود ہیں اور انکے باہم بھی کوئی فرق نہیں۔

یہ احادیث امام احمد اور بخاری تک کیسے پہنچیں اسکی مختصر تفصیل یوں ہے۔ ہمام بن منبہ رحمتہ اللہ نے اپنے استاد سے حدیثوں کا جو مجموعہ حاصل کیا تھا اسے اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔ انکا درس بہتوں نے لیا لیکن انکے شاگردوں میں معمر بن راشد یمنی مشہور ہیں، جنہوں نے بغیر حذف و اضافہ اس رسالے کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا، معمر رحمہ اللہ کو بھی ایک ممتاز اہل علم بطور شاگرد ملے، یہ عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری ہیں یہ بھی یمن سے تھے، یہ بہت

بڑے مؤلف گزرے ہیں انہوں نے المصنف نامی ایک ضخیم تالیف علم حدیث پر چھوڑی (کتابوں کی قسم مصنف کے بارے میں تفصیلات اس کتاب میں آگے موجود ہیں)۔ عہد نبوی ﷺ وعہد صحابہ کی تاریخ سمجھنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملتی ہے۔

امام عبد الرزاق کو دو نہایت ہی قابل شاگرد ملے، ایک امام احمد حنبل بغدادی اور دوسرے ابوالحسن احمد بن یوسف السلمی رحمۃاللہ علیہ۔ ان دونوں اماموں نے صحیفے کی خاص خدمت کی حضرت امام احمد بن حنبل نے عبدالرزاق کی تمام احادیث بھی لیں اور باقی اساتذہ کی بھی جمع کر لیں۔اور صحیفہ ہمام کی ان تمام روایات کو اپنی کتاب "مسندِ احمد" میں" باب ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک خاص فصل میں بلاحذف واضافہ ضم کر دیا۔

امام بخاری رحمۃاللہ علیہ (194ھ تا256ھ) اور امام مسلم (204ھ تا261ھ)، امام احمد رحمۃاللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ یوں اس صحیفہ کی احادیث ان تک بھی پہنچ گئیں۔ امام بخاری نے چونکہ موضوع وار حدیثیں مرتب کیں اس لیے صحیفہ ہمام کی احادیث انکی کتابوں کے مختلف ابواب میں منتشر ملتی ہیں۔

امام عبدالرزاق کے دوسرے شاگرد ابوالحسن احمد بن یوسف السلمی رحمۃاللہ علیہ نے اس صحیفے کی مستقل روایت کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کو اور ان کے شاگردوں کو نسلاً بعد نسل ایسے شاگرد رشید ملتے گئے۔ جنہوں نے اس قابل قدر یادگار کو آلائش سے پاک اور حفاظت سے رکھا۔ چند نسلوں بعد عبدالوہاب ابن مندہ اصفہانی کا زمانہ آیا تو ان کے دو شاگردوں نے اس رسالے کی حفاظت کا اپنی اپنی جگہ سامان کیا۔ایک تو ابوالفرج مسعود بن الحسن الثقفی جن کے سلسلے میں محمد بن حنبل اور اسماعیل بن جماعۃ جیسے ممتاز مشاہیر کے نام ملتے ہیں اور کم از کم 852ھ تک باقاعدہ درس اور روایت کی اجازت دینے کا سلسلہ جاری رہا، دوسے ان عبدالوہاب ابن مندہ کے دوسرے شاگرد محمد بن احمد اصفہانی ہیں، جن کے شاگرد ایک خراسانی عالم محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن مسعود المسعودی البند ہی نے صلیبی جنگوں کے زمانے میں 577ھ میں مدرسہ ناصریہ صلاحیہ میں (جو سلطان صلاح الدین نے دمیاط یعنی مصر میں قائم کیا تھا) اس کا درس دیا۔ اتفاق سے یہی اصل نسخہ محفوظ ہے اور 670ھ یعنی

تقریباً پوری ایک صدی تک اسی نسخے پر نسلاً بعد نسل علماء نے اپنے درس کا مدار رکھا اور اس میں اپنی درس دہی اور حاضر الوقت طلبہ کے نام وغیرہ درج کرکے دستخط کئے اس سماع سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بن ہی جو الملک الافضل بن سلطان صلاح الدین کے استاد تھے، ان کے درس میں دمیاط کا فوجی گورنر تینیس اور دمیاط کے متعدد اساتذہ وفضلاء بھی حاضر تھے۔

2. الموطات والمصنفات

اس قسم کی کتبِ حدیث تدوینِ حدیث کے دوسرے دور سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا دور دوسری صدی ہجری کے تقریبا نصف سے شروع ہوتا ہے۔ صحائف کے برعکس، ان کتابوں میں موضوعاتی ترتیب کا انتظام کیا گیا تھا۔ محدثین کے نزدیک حدیث کی یہ کتب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال پر مشتمل ہوتی ہیں۔ علماء کرام نے موطا اور مصنف میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ موطا میں مولف کے اپنے اقوال بھی شامل ہوتے ہیں جبکہ مصنف میں یہ شامل نہیں ہوتے۔

الموطا کتب کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

- موطأ لامام مالک (امام مالک بن انس کو امام دار الہجرہ اور عالم المدینہ کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ائمہ اربعہ میں سب سے بڑے امام ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ان کی شاگردی حاصل ہے۔مالکی حضرات انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ موطأ میں امام مالکؒ نے اہل حجاز کی قوی احادیث کو درج کرنے کا التزام کیااور فتاوی صحابہ اور تابعین بھی شامل کردیئے اور ساتھ ہی اپنا نکتۂ نظر بھی پیش کیا۔اسی کتاب کو خلیفہ ہارون الرشید نے ایک آئینی حیثیت یوں دینا چاہی کہ اسی کے مطابق تمام علماء وفقہاء فتوی دیا کریں مگر امام محترم